روزنامہ
ٹیلی فون نمبر 047-6213029 FD-10

الفضل

قائمقام ایڈیٹر: فخر الحق شمس

web: http://www.alfazl.org
email: editor@alfazl.org

پیر 28 جون 2010ء 15رجب 1431 ہجری 28/احسان 1389ہش جلد 60-95 نمبر 136

حضرت عمرؓ کی ہجرت

جب مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور ہجرت بھی بڑی شان سے کی۔ نبی کریم ﷺ سے اجازت لے کر چند ساتھیوں کے ہمراہ پہلے خانہ کعبہ پہنچے۔ طواف کر کے مشرکین کو مخاطب کر کے کہا ''آج جس نے بھی میرا مقابلہ کرنا ہے حرم مکہ سے باہر آ کر کرلے'' لیکن کسی کو اس کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ ''حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بعد ہم اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرنے لگے تھے''۔

(اسد الغابہ جلد 4 ص 58 ومجمع الزوائد جلد 9 ص 63)

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

وہ ابتلاء کہ جو شیر ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے۔ اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا دے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ جو قدیم سے خدائے تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے زبور میں حضرت داؤدؑ کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیحؑ کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں اور قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء ان مدارج عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے انہوں نے پا لئے۔ ابتلاء نے ان کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مہر لگا دی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ ان پر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے ان پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کئے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے یہاں تک کہ ربانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپا لیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو بہ یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا انہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں۔ اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ ان پر ذرا مہربان نہیں بلکہ ان کے دشمنوں پر مہربان ہے اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا۔ غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں ان پر ہوئیں پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سست اور شکستہ دل نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا باران پر پڑتا گیا اتنا ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا اور جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے۔ اور جس قدر انہیں مشکلات راہ کا خوف دلایا گیا اسی قدر ان کی ہمت بلند اور شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ ان تمام امتحانات سے اول درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے اور عزت اور حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہو گئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے غرض انبیاء و اولیاء ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلاء نازل ہوتے ہیں اور انہیں کی قوت ایمانی ان آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے عوام الناس جیسے خدا تعالیٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے اس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں بالخصوص ان محبوبانِ الٰہی کی آزمائش کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں گویا ڈوب ہی جاتے ہیں اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کے انجام سے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جل شانہ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیاء اور اولیاء کی تربیت باطنی اور تکمیل روحانی کے لئے ابتلاء کا ان پر وارد ہونا ضروریات سے ہے اور ابتلاء اس قوم کے لئے ایسا لازم حال ہے کہ گویا ان ربانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کئے جاتے ہیں۔

(سبز اشتہار۔ روحانی خزائن جلد دوم صفحہ 458)

لہو ولعب ہماری زندگی کا مقصد نہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''آج کل تو دنیا کی چمک دمک اور لہو ولعب، مختلف قسم کی برائیاں جو مغربی معاشرے میں برائیاں نہیں کہلاتیں لیکن (۔) تعلیم میں وہ برائیاں ہیں، اخلاق سے دور لے جانے والی ہیں، منہ پھاڑے کھڑی ہیں جو ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کرتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا پہلے روشن خیالی کے نام پر بعض غلط کام کئے جاتے ہیں اور پھر وہ برائیوں کی طرف دھکیلتے چلے جاتے ہیں۔ تو یہ نہ ہی تفریح ہے، نہ آزادی بلکہ تفریح اور آزادی کے نام پر آگ کے

باقی صفحہ 12 پر

واقفین نو متوجہ ہوں

سترہ سال سے زائد عمر کے واقفین نو/ واقفات نو کیلئے درج ذیل نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

نصاب ششماہی اول

قرآن کریم: پارہ 17 نصف اول معہ ترجمہ از حضرت میر محمد اسحٰق صاحب

مطالعہ حدیث: شمائل النبی ﷺ معہ اردو ترجمہ شائع کردہ نور فاؤنڈیشن

مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود: مسیح ہندوستان میں

علمی مسائل: وفات مسیح

سترہ سال سے زائد عمر کے واقفین نو/ واقفات نو کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس نصاب کے مطابق تیاری کریں۔ سیکرٹریان وقف نو/ معاون صدرات (وقف نو) لجنہ اماء اللہ کی خدمت میں بھی درخواست ہے کہ واقفین نو/ واقفات نو کو اس نصاب کی بھرپور تیاری کروائیں۔

ماہ دسمبر 2010ء کے پہلے عشرہ میں امتحان ہوگا۔

(وکیل وقف نو)

فرقہ واریت اور سیاسی رویے......

سید سبط حسن گیلانی اپنے کالم دست بریدہ میں لکھتے ہیں:۔

28 مئی 2010ء کی سہ پہر حضرت میاں میر، سید علی ہجویری، شاہ حسین اور استاد دامن کے شہر لاہور کے درو دیوار کو ایک مرتبہ پھر بے گناہوں کے خون سے رنگین بنا دیا گیا۔ پل بھر میں سو کے قریب جیتے جاگتے انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کتنے گھر برباد ہوئے، کتنی گودیں اجڑیں، کتنے سہاگ لٹے، کتنی امنگوں، آرزوؤں اور امیدوں نے دم توڑا۔ اس کا حساب شاید کوئی نہ دے سکے۔

پنجاب کی بیٹی امرتا پریتم بھی مرگئی۔ اگر زندہ ہوتی تو شاید ایک مرتبہ پھر وارث شاہ کو آواز دیتی کہ اٹھ اپنے پنجاب اور اس کے دل لاہور کو دیکھ اور اس کے زخموں کا حساب کر اور کوئی نوحہ لکھ۔ 1947ء میں لاہور اجڑا، بیلا لاشوں سے اٹا اور چناب لہو رنگ ہوا۔ آج پھر مناواں اور گڑھی شاہو کے گڑھے خون سے سیراب ہوئے۔ اس وقت بھی خون خرابے اور فساد کی بنیاد تھی سو آج بھی وہی ہے۔ عقیدے کا اختلاف۔ آج جن سو کے قریب لوگوں کے خون کی ندی بہی، ان کا قصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے جس کا عقیدہ دوسروں کے عقیدے سے میل نہیں کھاتا تھا اور اس جرم کی بنا پر ان کی اپنی سرزمین کو ان پر تنگ کر دیا گیا اور جینے کا حق چھین لیا گیا۔ نئی نسل کو کچھ حقائق سے روشناس کروانے کے لئے تھوڑا ماضی میں جھانکتے ہیں۔ اگرچہ نصف یا پوری صدی کا عرصہ قوموں کی تعمیر و ترقی کے لئے بڑے معنی رکھتا ہے لیکن ہم تو سوئے ہوئے محل کی طرح ٹھہرا ہوا سماج اور لاعلمی و بےحسی کی وہ چٹان ہیں جن پر وقت کوئی اثر نہیں ڈالتا، بس دبے پاؤں گزر جاتا ہے۔

جماعت احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد فروری 1835ء میں ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کو شروع ہی سے دینی علوم سے شغف تھا۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں عیسائی تبلیغی مشن اور ہندوؤں کی آریہ سماج تبلیغی سرگرمیوں کے بالمقابل اسلامی نقطۂ نظر پر مبنی مذاکروں اور مناظروں کی وجہ سے آپ کو ایک اسلامی سکالر کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی اور اسی دور میں آپ کی تصنیف ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کو بھی مذہبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ملی۔ اسی دوران معروف مذہبی سکالر اور دانشور مولوی چراغ علی کے ایما پر براہین احمدیہ (براہین احمدیہ کی تصنیف میں مولوی چراغ علی کا کوئی دخل نہیں۔ ناقل) لکھی۔ مارچ 1882ء میں مرزا غلام احمد نے خود پر الہام کا دعویٰ کیا اور 1890ء تک خود کو مثیل مسیح اور امتی نبی کی حیثیت سے اپنے مریدین کو دعوت بیعت دیتے رہے۔

1901ء میں انہوں نے ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں آپ کا مؤقف بے حد متنازع سمجھا جاتا ہے۔ پہلے ہی کچھ علمائے اسلام آپ کے خلاف فتوے جاری کر رہے تھے اب مزید تُندی و تیزی کے ساتھ آپ کے خلاف مہم چلائی جانے لگی۔ اسی سال یعنی 1901ء (درست 1889ء ہے۔ ناقل) میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا اور مرزا صاحب کی استدعا پر ہی اسی سال کی مردم شماری میں جماعت احمدیہ کو ایک الگ فرقہ ظاہر کیا گیا۔

مئی 1908ء میں لاہور میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس نئی تحریک کو مرزا صاحب کی زندگی میں ہی خاص تائید حاصل ہوگئی تھی اور متعدد ذی اثر لوگ اس میں شامل ہوگئے تھے۔ آئندہ کے تقریباً تین عشروں تک معمول کی فتوے بازی، نوک جھونک اور جلسے جلوسوں کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن کسی بڑے اور منظّم فتنے یا شورش نے سر نہیں اٹھایا تاوقتیکہ پاکستان کا قیام عمل میں آگیا۔

اب مناسب ہوگا اگر احرار کے ماضی پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ قوم پرست مسلمانوں کے ایک گروہ نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرکے 4 مئی 1931ء کو لاہور میں ایک جلسہ منعقد کیا اور مجلس احرار کی بنیاد رکھی۔ اسی سال کشمیر کے اندر مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور اخبارات کے ایشو کو اٹھانے پر 31 جولائی 1931ء کو سری نگر میں ایک بلوہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہاں شورش پیدا ہوتی ہے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کا اعلان کرتی ہے۔ جس میں علامہ اقبال، نواب سر ذوالفقار علی خان، خواجہ حسن نظامی اور مرزا بشیرالدین محمود جیسے اکابرین شامل ہوتے ہیں۔ اس کمیٹی کے جنرل سیکرٹری بھی ایک احمدی عبدالرحیم درد منتخب ہوئے۔

احرار چونکہ احمدیوں کے خلاف تھے۔ اس کمیٹی میں امام جماعت احمدیہ کی شمولیت کی وجہ سے انہوں نے اپنے طور پر علیحدہ کشمیری مسلمانوں کے حق میں تحریک چلانے کا اعلان کیا اور 30/اکتوبر 1931ء کو مولانا اظہر علی اظہر ایک سو رضا کاروں کا جتھا لے کر ڈرامائی انداز میں علاقہ جموں میں داخل ہوئے جس کی وجہ سے جماعت احرار کو نمایاں ہونے کا موقع ملا۔ احراری اگرچہ 1931ء میں کانگریس سے الگ ہوگئے تھے لیکن وہ تقسیم تک برابر کانگریس سے ساز باز کرتے رہے۔ مجلس احرار کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس 3 مارچ 1940ء کو دہلی میں منعقد ہوا جس میں قیام پاکستان کی تجویز کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ اسی دوران احراری لیڈروں نے مجوزہ ریاست پاکستان کے خلاف دشنام طرازی کا وطیرہ جاری رکھا۔ 20 نومبر 1940ء کو احراری لیڈر مولانا داؤد غزنوی کا ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ مجلس احرار کو دوبارہ کانگریس میں ضم کر دیا جائے گا۔ یہ وہ دور تھا جب محمد علی جناح قائداعظم کی حیثیت سے مسلمانوں کے متفقہ لیڈر تسلیم کئے جاچکے تھے اور احرار قائد کی ذاتی و سیاسی زندگی کو مسلسل تضحیک کا نشانہ بنائے رکھتے ہیں۔ ان کی توہین کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔

بعد میں 1953ء والے فسادات کے بعد قائم ہونے والے عدالتی کمیشن کے سامنے مولانا اظہر علی اظہر نے نہایت خیرہ چشمی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ محمد علی جناح کے بارے میں آج بھی اپنے خیالات پر قائم ہیں۔ 1946ء میں احراری جماعت نے مسلم لیگ کے مدمقابل انتخابات میں بھی حصہ لیا لیکن شکست سے دوچار ہوئے۔ 1947ء میں قیام پاکستان احراری جماعت کے لئے مایوسی کا پیغام لے کر طلوع ہوا کیونکہ اسے سیاسی شکست ہوئی تھی۔

(جاری ہے)

(روزنامہ آج کل 2 جون 2010ء)

فقط ہونٹ سی لئے

موسم بھی تابناک ہے، ظالم ہوا بھی ہے
اہلِ ستم ہیں سامنے اور کربلا بھی ہے

جورو جفا کا شوق ہے شِمر و یزید کو
اہلِ وفا کا شیوۂ صبرو رضا بھی ہے

شرما گئے ہیں بھیڑیئے انساں کو دیکھ کر
اب اس سے بڑھ کے اور کوئی سانحہ بھی ہے

ہم نے تو ظلم سہہ کے فقط ہونٹ سی لئے
قاتل نہ بھول جائے خدا بولتا بھی ہے

میں کیا کہوں، کہ روح کو سُلگا گئے ہیں اشک
اور لفظ لفظ خون میں ڈوبا ہوا بھی ہے

پروردگار ایک تیری ذات ہے وکیل
تُو دیکھتا بھی ہے ہمیں تُو جانتا بھی ہے

مشکل گھڑی ضرور ہے پر دوستو ہمیں
صبر و رضا کے ساتھ ہی حکم دعا بھی ہے

.... مبارک صدیقی

پبلشر و پرنٹر : طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ
مطبع: ضیاء الاسلام پریس
مقام اشاعت : دارالنصر غربی چناب نگر ربوہ
قیمت 5 روپے

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب .... تقریر جلسہ سالانہ 1979ء

سیرت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول

آغاز تعلق اور جذبہ محبت

حضرت خلیفۃ المسیح الاول ریاست جموں وکشمیر میں شاہی طبیب تھے۔ ایک دن ریاست کے وزیراعظم نے آپ کو حضرت مسیح موعود کا ایک اشتہار پڑھنے کو دیا۔ جو آپ نے اپنے دعویٰ ماموریت کے بعد نشان نمائی کی عالمگیر دعوت کے لئے ایشیا، امریکہ اور یورپ کے تمام مذہبی عمائد اور مفکرین کو بھجوایا تھا۔ وہ اشتہار پڑھتے ہی آپ عازم قایان ہوگئے۔ حضرت اقدس کے رخ مبارک پر جب آپ کی نظر پڑی تو آپ کے الفاظ ہیں۔ میں نے دل میں کہا۔ یہی مرزا ہے۔ اس پر میں سارا ہی قربان جاؤں۔

پھر فرمایا:۔

حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا ’’میں ہوا خوری کے لئے جاتا ہوں کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے‘‘۔ میں نے کہا کہ ہاں آپ دور تک ساتھ چلے گئے۔ تو آپ نے مجھے فرمایا کہ ’’امید ہے آپ جلد واپس آجائیں گے‘‘۔ حالانکہ میں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ پھر میں واپس آیا اور ایسا آیا کہ پھر وہیں کا ہوگیا۔

اخلاص ووفا کا مثالی رنگ

ایک عربی تحریر میں آپ نے بیان کیا ’’مجھے ایسے کامل مرد کے دیکھنے کا انتہائی شوق تھا۔ جو یگانہ روزگار ہو اور میدان میں تائید دین اور مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہونے والا ہو اسی اثنا میں مجھے حضرت سید الاجل اور بہت ہی بڑے علامہ اس صدی کے مجدد، مہدی زمان، مسیح دوران، مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے خوشخبری ملی۔ میں ان کے پاس پہنچا۔ تا حقیقت حال کا مشاہدہ کروں۔ میں نے فوراً بھانپ لیا۔ یہی موعود حکم وعدل ہے اور یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تجدید دین کے لئے مقرر فرمایا۔ میں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور لبیک کہا اور اس عظیم الشان احسان پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا اے ارحم الراحمین خدا تیری حمد اور تیرا شکر اور تیرا احسان ہے کہ میں نے مہدیٔ زمان کی محبت کو اختیار کرلیا اور آپ کی بیعت صدق دل سے کی۔ یہاں تک کہ مجھے آپ کی مہربانی اور لطف وکرم نے ڈھانپ لیا اور میں دل کی گہرائیوں سے ان سے محبت کرنے لگا۔ میں نے انہیں اپنی جائیداد اور اپنے سارے اموال پر ترجیح دی۔ بلکہ اپنی جان اپنے اہل وعیال اور والدین اور دوسرے سب عزیز واقارب پر انہیں مقدم جانا۔ ان کے علم وعرفان نے میرے دل کو والا وشیدا بنالیا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے لئے ان کی ملاقات مقدر فرمائی اور میری یہ خوش بختی ہے کہ میں نے انہیں باقی تمام لوگوں پر ترجیح دی اور میں ان کی خدمت کے لئے اُس جاں نثار کی طرح کمربستہ ہوگیا۔ جو کسی میدان میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ پس اسی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ پر احسان فرمایا اور وہ بہتر احسان کرنے والا ہے‘‘۔

محبّ اپنے محبوب آقا کی نگاہ میں

یہ تو تھی کیفیت جاں نثار محبّ کی۔ اب سنئے کیفیت اس زمانہ روزگار محبوب کی۔ حضور فرماتے ہیں:۔

’’جب سے میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حیی و قیوم کی طرف سے زندہ کیا گیا ہوں۔ دین کے چیدہ مددگاروں کی طرف شوق کرتا رہا ہوں اور وہ شوق اس شوق سے بڑھ کر ہے جو ایک پیاسے کو پانی کی طرف ہوتا ہے اور میں رات دن خدا تعالیٰ کے حضور چلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے رب میرا کون ناصر و مددگار ہوگا۔ میں تنہا اور ذلیل ہوں۔ پس جب دعا کا ہاتھ پے درپے اٹھا اور آسمان کی فضا میری دعا سے بھر گئی اور اللہ تعالیٰ نے میری عاجزی اور دعا کو قبول کیا اور رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے ان مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارے میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔ وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسل کے لحاظ سے قریشی ہے جو کہ (دین) کے سرداروں میں سے اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے۔ پس مجھ کو اس کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا کوئی ضائع شدہ عضو مل گیا۔ ...... جب وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میری نظر اس پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے رب کی آیات میں سے ایک آیت ہے اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہ میری اسی دعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے‘‘۔

پھر فرمایا:۔

’’وہ ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمان کے نور اس پر نازل ہوتے ہیں۔ جب کبھی وہ کتاب اللہ کی تعبیر کی طرف توجہ کرتا ہے تو اسرار کے منبع کھولتا ہے اور لطائف کے چشمے بہاتا ہے اور عجیب و غریب معارف حل کرتا ہے جو پردوں کے نیچے سوتے ہیں۔ لطائف کے ذرات کی تنقید کرتا ہے اور حقائق کی جڑوں تک پہنچ کر کھلا کھلا نور لاتا ہے۔ عقلمند اس کی تقریر کے وقت اس کے کلام کے اعجاز اور عجیب تاثیر کی وجہ سے تسلیم کے ساتھ اس کی طرف اپنی گردنوں کو لمبا کرتے ہیں۔ وہ حق کو سونے کے ڈلے کی طرح دکھاتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔ سب حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھ کو یہ دوست ایسے وقت میں بخشا کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی عمر، صحت اور ثروت میں برکت دے۔ خدا تعالیٰ کی قسم میں اس کے کلام میں ایک نئی شان دیکھتا ہوں اور قرآن شریف کے اسرار کھولنے میں اس کے کلام اور مفہوم کے سمجھنے میں اس کو صادقین میں سے پاتا ہوں۔ میں اس کے علم اور حلم کو دو پہاڑوں کی طرح دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کونسا دوسرے پر فوقیت لے گیا ہے۔ وہ دین قیم کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اے رب تو اس پر آسمان سے برکتیں نازل کر اور دشمنوں کے شر سے اس کو محفوظ رکھ اور جہاں کہیں بھی وہ ہو تو اس کے ساتھ ہو۔ دنیا و آخرت میں اس پر رحم کر اے ارحم الراحمین۔ آمین ثم آمین‘‘۔

پھر فرمایا:۔

’’میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے اعلیٰ درجے کا صدیق دیا ہے جو راست باز اور جلیل القدر فاضل ہے اور باریک بین اور نکتہ رس۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرنے والا اور کمال اخلاص سے اس کے لئے ایسی اعلیٰ درجے کی محبت رکھنے والا ہے کہ کوئی محبّ اس سے سبقت نہیں لے گیا‘‘۔

حضرت مسیح موعود نے اپنی خوشنودی کی سند ان الفاظ میں رقم فرما کر ہمیشہ کے لئے اپنے اس جاں نثار محبّ کا نام روشن کردیا۔ فرمایا کہ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُراز نورِ یقیں بودے

حضور اقدس نے ایک بار فرمایا:۔

’’ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مولوی صاحب کو کہیں، آگ میں کود جاؤ یا پانی میں چھلانگ پڑو انہیں عذر نہ ہو‘‘۔

ایک بار کچھ مستورات کے درمیان تکرار ہوگئی کہ ان دونوں حضرات میں سے حضرت مسیح موعود کو کون زیادہ عزیز ہے۔ انہوں نے اس امر میں حضرت اماں جان سے استفسار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ فیصلہ تو بالکل آسان ہے ابھی ہو جاتا ہے اور حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے سب سے پیارے رفیق۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ حضور نے پریشانی میں دریافت فرمایا۔ کیا مولوی نورالدین صاحب کے متعلق کوئی بات ہے۔

ایک دفعہ حضور کی طبیعت پر ایک امر گراں گزرا جس کے مدنظر حضور نے فرمایا کہ ’’تم میں سے بعض ایسے ہیں جو بیشمار نشان دیکھنے کے بعد بھی ان کا ایمان ابھی پختہ نہیں۔ لیکن ایسے بھی ہیں جنہوں نے کسی نشان کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مولوی نورالدین صاحب ہیں کہ انہوں نے سنتے ہی اٰمنّا کہا اور فاروقی ہوتے ہوئے صدیقی عمل کیا۔ اس پر مولوی صاحب فرط جوش میں کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا کہ رضینا باللّٰہ ربا و بمحمد نبیا۔ خاکسار کو آپ کے دعویٰ کے متعلق کبھی شک نہیں ہوا اور خاکسار یہ کہتا ہے کہ رضینا باللّٰہ ربا و بک مسیحا و مھدیا۔ یہ سن کر حضور اقدس کے چہرے پر انبساط کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے تقریر بند کردی‘‘۔

(مفہوم ملفوظات جلد 2 ص 55)

آپ اعلیٰ درجہ کے نہایت حاذق طبیب تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کسی متمول یا بلند مرتبہ مریض یا کسی ایسے شخص کے کسی عزیز کے علاج کے لئے آپ سے قادیان سے باہر تشریف لے جانے کی درخواست کی گئی۔ آپ کا یہی جواب ہوتا۔ میرا ایک آقا ہے بدوں اس کے اذن کے میں حرکت نہیں کرسکتا۔ یوں آپ کا فیض بلاتفریق ہر کسی کے لئے عام تھا اور خالصۃً للہ کوئی ذاتی غرض آپ کو اس میں نہ تھی۔ اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے آپ کا کامل توکل اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اور وہی ارحم الراحمین خیرالرازقین ہر حالت میں آپ کا والی اور کفیل تھا۔ یجعل لہ مخرجاً ...... کی بیشمار حیران کن مثالوں کا مشاہدہ آپ کی زندگی کے ہر ایک مرحلے پر ہوتا ہے۔

بلند اخلاق کی ایک مثال

آپ کے بلند اخلاق اور عالی حوصلگی کی مثالوں میں سے ایک کا ذکر کافی ہوگا جب ہنری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعود کے خلاف اقدام قتل کا استغاثہ کیا اور اس استغاثہ کی سماعت کیپٹن ڈگلس حاکم ضلع کے روبرو ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی بطور گواہ استغاثہ پیش ہوئے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود کو باوجود ایک سنگین جرم کا ملزم ہونے کے کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر حاکم سے اپنے لئے کرسی دیئے جانے کی درخواست کی۔ جسے حاکم نے درشتگی سے رد کردیا۔ ان کا بیان سراسر کینہ اور بغض پر مبنی تھا اور دروغ گوئی سے پُر تھا۔ جس کی حقیقت سے حاکم بھی واقف ہوگیا۔ بیان ختم ہونے پر جب وہ کھسیانے سے کمرۂ عدالت سے باہر نکلے تو خالی کرسی دیکھ کر اس کی طرف بڑھے لیکن ایک کانسٹیبل نے یہ کہہ کر انہیں بیٹھنے سے روک دیا کہ صاحب سپرنٹنڈنٹ کی اجازت نہیں۔ انہوں نے قریب ہی ایک دری پر بیٹھنا چاہا لیکن دری کے مالک نے دری کھینچ لی کہ مسلمانوں کا سرغنہ ہو کر جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتا۔ چل ہٹ۔ میری دری کو ناپاک نہ

کر۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے یہ کیفیت دیکھی تو اٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کے پاس گئے اور انہیں بازو سے پکڑ کر کہا کہ مولوی صاحب آئیں ہمارے پاس بیٹھ جائیں اور ہر ایک بات کی حد ہونی چاہئے۔

آپ کا بلند مقام

1907ء کا واقعہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب بیمار ہوگئے اور بیماری طول پکڑ گئی۔ حضرت مسیح موعود متواتر دعا بھی کر رہے تھے اور ہر روز عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔ ایک روز عیادت سے واپسی پر خود نسخہ تیار کر رہے تھے کہ حضرت اماں جان نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر بغرض تسکین وہی کہا ''مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہوگئے۔ مولوی برہان الدین صاحب فوت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مولوی صاحب کو جلد تندرستی عطا فرمائے۔ جس پر حضور نے فرمایا ''یہ شخص ہزار عبدالکریم کے برابر ہے''۔

حضرت مسیح موعود کا وصال

اور خلافت کی بیعت

حضرت مسیح موعود کا وصال 26 مئی 1908ء کو ساڑھے دس بجے قبل از دوپہر لاہور میں ہوا۔ جسد اطہر دوسرے دن صبح آٹھ بجے کے قریب قادیان پہنچا اور باغ والے مکان کے دالان میں احباب کی سہولت زیارت کے لئے رکھا گیا۔ جماعت کے اہل رائے احباب جو قادیان پہنچ چکے تھے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت اماں جان اور صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور حضرت میر ناصر نواب صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد اتفاق رائے سے یہ تحریر تیار کی کہ:

امّا بعد مطابق فرمان حضرت مسیح موعود مندرجہ رسالہ الوصیت ہمہ احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں۔ اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اعلم اور اتقی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُراز نور یقیں بودے

سے ظاہر ہے کہ آپ کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے لئے ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود کا تھا''۔

اس تحریر کے نیچے بہت سے احباب نے دستخط کئے جن میں یہ بھی شامل تھے۔

شیخ رحمت اللہ صاحب۔ سید محمد احسن صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ مولوی غلام حسن خان صاحب۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔

(بدر جلد 7 نمبر 22۔ 2 جون 1908ء)

اس تحریر پر دستخط کرنے والے سب احباب حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا منشاء گزارش کیا۔ آپ نے کچھ سوچ کے بعد فرمایا۔ میں دعا کے بعد جواب دوں گا۔ پھر حضور نے دو نفل ادا کئے اور دعاؤں سے فارغ ہو کر فرمایا۔ چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر اور ہمارے بھائی انتظار میں ہیں۔ چنانچہ یہ مجلس برخاست ہو کر باغ پہنچی اور تمام حاضر الوقت احباب کے اتفاق سے حضرت مولوی مفتی محمد صادق صاحب نے مندرجہ بالا تحریر حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں بطور درخواست پڑھ کر سنائی اس کے جواب میں آپ نے تشہد و تعوذ کے بعد آیت ولتکن منکم امۃ...... تلاوت فرمائی اور ایک درد انگیز تقریر کے دوران فرمایا:۔

''کہ میری پچھلی زندگی پر غور کر لو میں کبھی امام بننے کا خواہش مند نہیں ہوا۔ میں ...... اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے۔ میں دنیا میں ظاہر داری کا خواہشمند نہیں۔ مگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں اور قادیان بھی اسی لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اسی فکر میں کئی دن گزارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہوگی۔ اسی لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں ...... تین آدمی موجود ہیں۔ اول میاں محمود احمد وہ میرا بھائی ہے اور بیٹا بھی۔ اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔ قرابت کے لحاظ سے میر ناصر نواب صاحب ہمارے حضرت کے ادب کا مقام ہیں۔ تیسرے قریبی نواب محمد علی خان صاحب ہیں۔ اسی طرح خدمت گزاران دین میں سے سید محمد احسن صاحب اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔ سید بھی ہیں۔ خدمات دین کے لئے ایسے ایسے کام کئے ہیں کہ میرے جیسا انسان شرمندہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے ضعیف العمری میں بہت سی تصانیف حضرت کی تائید میں لکھیں۔ یہ ایسی خدمت ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔ بعد اس کے مولوی محمد علی صاحب ہیں جو ایسی خدمات کرتے ہیں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ سب لوگ موجود ہیں۔ باہر کے لوگوں میں سے سید حامد شاہ اور مولوی غلام حسن ہیں اور بھی (احباب) ہیں۔

یہ ایک بڑا بوجھ ہے۔ خطرناک بوجھ ہے۔ اس کا اٹھانا مامور کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے خدا کے عجب در عجیب وعدے ہوتے ہیں جو ایسے دکھوں کے لئے جو پیٹھ توڑ دیں عصا بن جاتے ہیں۔

پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جن عمائد کا نام لیا ہے ان میں سے کوئی منتخب کر لو میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر تم میری ہی بیعت کرنا چاہتے ہو تو سن لو بیعت بک جانے کا نام ہے ...... بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی تمام حریت اور بلند پردازیوں کو چھوڑ دیتا ہے...... طبائع کے اختلاف پر نظر کر کے یک رنگ ہونے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ خدا کے فضل پر موقوف ہے......

......اب تمہاری طبیعتوں کے رخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اگر تمہیں یہ بات منظور ہو...... تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا کہ ولتکن منکم امۃ ...... یاد رکھو ساری خوبیاں وحدت میں ہیں۔ جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی''۔

(بدر جلد 7 نمبر 22۔ 2 جون 1908ء)

اس تقریر کو سن کر تمام حاضرین نے جن کی تعداد تقریباً بارہ صد تھی یک زبان ہو کر کہا کہ آپ ہماری بیعت لیں ہم آپ کے احکام مانیں گے آپ ہمارے امیر ہیں اور ہمارے مسیح کے جانشین۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے حضرت مولوی صاحب کو خلیفۃ المسیح الاول تسلیم کر کے آپ کی بیعت کی۔ بیعت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت مسیح موعود کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جس کے بعد نماز عصر ادا کی گئی اور نماز کے بعد خدام نے یکے بعد دیگرے حضرت اقدس کے نورانی چہرہ کی آخری زیارت کی اور شام کے قریب جسد اطہر کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے بحیثیت سیکرٹری صدر انجمن یہ اعلان شائع کیا کہ حضور کا جنازہ قادیان میں پڑھانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقربا حضرت مسیح موعود و باجازت حضرت اماں جان کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی ...... حضرت حاجی الحرمین شریفین حضرت حکیم نورالدین صاحب سلمہٗ کو آپ کا جانشین اور...... قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ خط بطور اطلاع کل ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں بذات خود یا تحریری بیعت کریں۔

حضرت مسیح موعود نے اپنے وصال سے ڈیڑھ ماہ پیشتر ایک تقریر کے دوران میں فرمایا۔ صوفیاء نے لکھا ہے جو شخص کسی شاہد یا نبی اور رسول کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے سب سے پہلے حق اس کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ صریح اشارہ تھا کہ حضور کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب آپ کے خلیفہ ہوں گے۔

غیر مبائعین کے شبہات

خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہی بعض احباب کے دل میں شبہات پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ مولوی محمد علی صاحب کو تو بیعت میں بھی تامل تھا۔ حقیقت اختلاف ص 30,29 پر انہوں نے بیان کیا۔

''حضرت مسیح موعود کی وفات لاہور میں ہوئی۔ آپ کی نعش مبارک جب قادیان میں پہنچی باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جانشین حضرت مولوی نورالدین ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ میں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو لوگ نئے سلسلہ میں داخل ہوں گے انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیت کا منشاء ہے اور اب تک میں اس پر قائم ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی جن لوگوں نے بیعت کی ہے۔ انہیں آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں اور نہ بیعت لازمی ہے۔ لیکن بایں ہمہ میں نے بیعت کر بھی لی۔ کیونکہ اس میں جماعت کا اتحاد تھا۔

لیکن مولوی صاحب نے اس کے بعد اپنے رسالہ ایک نہایت ضروری اعلان میں یہ بھی کہا:

''مرید اپنے تئیں اپنے مرشد کے سامنے ایک بے جان کی طرح ڈال دیں اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دیں نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے کہ ایک بات درست ہے تو مرید کہتا ہے کہ مرشد نے سمجھائی نہیں۔ میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ بیعت کر لینے کے بعد یہ حضرت خلیفۃ المسیح کی گستاخی ہے اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی ہے''۔

غیر مبائعین کا امیر بننے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے امیر کے اختیارات اور حیثیت کی عین وہی تعریف کی جو خلیفہ پر صادق آتی ہے۔ گو انہیں وہ حیثیت حاصل ہے۔

قدرت ثانیہ کے ذریعہ برکات

حضرت خلیفۃ المسیح ...... نے اپنے مختصر زمانہ...... میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور بہت سے عزائم مبارکہ کی تکمیل کی۔ واعظین سلسلہ اور علمائے دین کی ایک جماعت تیار کی۔ دینی تعلیم کا نظام قائم کیا۔ قرآن کریم کے علوم و حقائق کا سلسلہ صحت اور بیماری میں جاری رکھا۔ یتامیٰ اور مساکین کی متواتر خبرگیری فرمائی۔ طلباء کی ہر لحظہ ہمت افزائی کی۔ کسب خیر کی تمام راہوں پر گامزن رہنے کا عملی نمونہ پیش کرتے چلے گئے۔ جماعت کی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت متواتر فرماتے رہے۔ لیکن آپ کا سب سے ممتاز کارنامہ استحکام خلافت تھا۔ اس مقصد کے حصول میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ وہ امانت عظیمہ تھی جسے آپ نے کامل طور پر ادا فرمایا۔ آپ نے ان حقائق میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ خلیفہ واجب الاطاعت امیر ہوتا ہے۔ سلسلے کے تمام ادارے خلیفہ کے تابع ہیں۔ خلیفہ ان کا مطاع ہے۔ خلیفہ کی اطاعت

رسول کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ خلافت کے متعلق جماعت میں اختلاف ہونے پر 65 سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ آج خلیفہ سے متعلقہ اختلافی مسائل پر کسی بحث مباحثے کی ضرورت باقی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے سب مسائل حل کر دیئے ہیں۔......

غور کا مقام ہے کہ غیر مبائعین نے تو اپنے زعم کے مطابق حضرت مسیح موعودکو ان کے صحیح اور اصل مقام پر رکھا اور ان کے متعلق غالیانہ عقائد کا اظہار نہیں کیا۔ اس لئے چاہئے تھا کہ ان کے بزعم خود صحیح مؤقف کے نتیجے میں انہیں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شہادت متواتر یہ چلی آتی ہے کہ وہ جن کا ابتدائی دعویٰ تھا کہ جماعت کا 19/20 حصہ ان کی تائید میں ہے۔ گرتے گرتے مٹھی بھر رہ گئے اور باہمی اختلاف کی وجہ سے ان کی حالت عبرتناک ہو چکی ہے اور جماعت احمدیہ بفضل اللہ تعالیٰ ہر نوع کی شدید مخالفت کے اور طرح طرح کی ایذا دہی کے باوجود پیہم شاہراہ ترقی پر گامزن رہی۔ آج اس محفل میں جس قدر غیر از جماعت متلاشیان حق موجود ہیں۔ ان کی تعداد جملہ غیر مبائعین کی تعداد سے کئی گنا بڑھ کر ہے اور ایسی ہی نسبت ان فدایان کی ہے جو بیرون پاکستان سے ہزاروں میل کا سفر کر کے اور لاکھوں در لاکھوں روپے کو صرف کر کے اس مبارک اجتماع میں شمولیت کی خاطر حاضر ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور انسانی آنکھوں میں بھی فاعتبروا یا اولوا الابصار ہے۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاول اختلافی مثال کی بار بار شاندار الفاظ میں وضاحت نہ فرما چکے ہوتے اور جماعت کو محکم بنیادوں پر قائم نہ کر چکے ہوتے تو جماعت کا شیرازہ کبھی کا بکھر چکا ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ آپ نے ابتداء میں ہی ایک مضمون کے دوران فرمایا۔ حضرت مسیح موعود نے زندگی میں سرّ الخلافہ لکھ کر اور وفات میں روحانی ترقی کا معجزہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک......کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

وقار اور سادگی کا حسین امتزاج

شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا قادیان میں باہر سے جب کوئی شخص آتا ہے تو حضرت خلیفۃ المسیح کو اس کی آنکھیں تلاش کرتی ہیں تو وہ اس کے دربار میں پہنچ کر سخت حیران ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ معمولی چٹائیوں کے فرش پر بہت سے لوگ بیٹھے ہیں اور سب کے سب نہایت بے تکلفی اور سادگی سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں بظاہر کسی قسم کا امتیاز نظر نہیں آتا۔ وہ اتنا تو دیکھتا ہے کہ ایک وجیہہ پُرنور پُرہیبت بوڑھا ان میں موجود ہے۔ مگر اس کا لباس، نشست و برخاست، اس کا انداز گفتگو ایسا نہیں کہ جس سے سمجھ سکے کہ یہ نورانی وجود مسند خلافت پر متمکن ہے۔ وہ نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ مریدوں کے ہجوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جو ان کے مرضوں کی تشخیص کرتا ہے اور ان کا علاج کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کئی قسم کے مذہبی سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب اسی منہ سے سنتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وجود کو اس کی آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں وہ یہی ہے۔ اس وقت دیکھنے والے کا تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اوپر سے دربار خلافت کا نقشہ نظر آجاتا ہے۔ ہمارا خلیفہ اور امام نہایت سادہ مزاج اور نہایت بے تکلف امام ہے۔ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ کے ساتھ اس طور پر کلام کرتا ہے کہ ہر شخص یقین کرتا ہے کہ جو محبت اور بے تکلفی اسے اس کے ساتھ ہے شاید کسی اور کے ساتھ نہ ہو۔ مگر وہ سب کے ساتھ وہی ہمدردی اور محبت رکھتا ہے۔ اس کی اندرونی اور بیرونی نشست میں سادگی ہی سادگی ہے۔ اس کے کھانے میں اس کے پہننے میں بھی سادگی ہے۔ اسے عام لوگوں میں سے جو چیز اسے ممتاز کرتی ہے۔ وہ اس کا پُرشوکت اور نورانی چہرہ اور اس کی عام ہمدردی اور خدمت دین ہے جس میں وہ تمام وقت مصروف رہتا ہے۔ آپ کے دربار میں ہر کس و ناکس کو رسائی تھی......

18 نومبر 1910ء جمعہ کی نماز کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح گھوڑے سے گر گئے۔ حضرت مسیح موعود نے ایک کشف میں دیکھا تھا کہ مولوی نورالدین صاحب گھوڑے سے گر گئے ہیں۔ آپ کو بہت سی ضربات آئیں اور دائیں کنپٹی پر گہرا زخم پہنچا۔ جو بعد میں ناسور کی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے ایسی حالت میں جان بخشی فرمائی کہ حضرت مسیح موعود کے دو الہام پورے ہوئے۔ ''دوبارہ زندگی'' دوسرا الہام ''منسوخ شدہ زندگی'' ایک لمبے عرصہ تک آپ اپنی نشست کے کمرے سے باہر تشریف نہ لے گئے۔ پھر بھی اس حالت میں تعلیم و تدریس اور تشخیص و علاج امراض اور دیگر فرائض کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رہا اور آپ کے چشمۂ فیض کی روانی میں کمی نہ آئی۔ استحکام خلافت کے سلسلے میں بعض معرکۃ الآراء تقاریر اور اعلانات اس حادثہ کے بعد کے زمانے کے ہیں۔

حسین یادوں کا تذکرہ

غیر مناسب نہ ہوگا کہ اس مرحلہ پر کچھ تذکرہ ان نوازشات اور احسانات کا بھی کیا جائے جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی طرف سے اس عاجز پر بطور مرحمت خسروانہ ثابت ہوئے۔ اس عاجز کو حضرت مسیح موعود کی پہلی زیارت کا شرف 3 ستمبر 1904ء کو لاہور میں حاصل ہوا۔ جب حضور کا لیکچر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب پڑھ کر سنا رہے تھے۔ میری عمر اس وقت ساڑھے گیارہ سال تھی۔ لیکن تمام وقت یہ عاجز حضور اقدس کے مبارک چہرے پر ٹکٹکی باندھے رہا اور حضور کی صداقت ہر لحظہ میرے دل میں محکم سے محکم تر ہوتی گئی۔ حضور قریب 8 ہفتے بعد 27/اکتوبر کی شام کو سیالکوٹ تشریف لائے۔ دوسرے روز میری والدہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ حضور کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ خاکسار ان کے ہمراہ تھا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب بھی حضور اقدس کے ان خدام میں سے تھے جو حضور کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ میرے والد صاحب اس وقت تک حضور کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے لیکن ابھی بیعت نہیں کر پائے تھے۔ ان کے دوست چوہدری محمد امین صاحب سلسلہ کے متعلق حسن ظن رکھتے تھے۔ لیکن بیعت کرنے میں انہیں کچھ تردد تھا۔ ان کے اطمینان کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ساتھ مغرب کے بعد والد صاحب اور چوہدری صاحب کے لئے ملاقات کا وقت مقرر ہوا اور یہ سلسلہ تین چار دن جاری رہا۔ خاکسار بھی ان دونوں اصحاب کے ساتھ حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اس حسن اتفاق کا خاکسار کو ایک عظیم فائدہ یہ ہوا کہ حضرت مولوی صاحب خاکسار کو پہچاننے لگ گئے۔ والد صاحب نے ان ملاقاتوں کے سلسلے کے اختتام پر دوسری صبح ہی نماز فجر کے بعد حضرت مسیح موعود کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ خاکسار بھی حاضر تھا۔ لیکن چوہدری صاحب رکے رہے۔

بیعت کرنے کے بعد والد صاحب کا دستور تھا۔ دسمبر کے آخر اور ماہ ستمبر کے آغاز کی عدالتی تعطیلات کے دوران قادیان حاضر ہوتے اور خاکسار کو بھی ساتھ لے جاتے۔ ان ایام میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی مجلس میں حاضری کا شرف خاکسار کو بھی حاصل ہوتا۔ آپ کا ایک نہایت عظیم الشان احسان اس ذرہ ناچیز پر یہ ہوا کہ جولائی 1907ء میں والد صاحب کو آپ کا ارشاد پہنچا کہ آپ اپنے بچے کی بیعت کرا دیں۔ یہ خاکسار 3 ستمبر 1904ء سے ہی اپنے تئیں جماعت میں شمار کرتا تھا اور اپنے والدین کی بیعت میں خود کو شامل سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت مولوی صاحب کے اس ارشاد کے بعد 16 ستمبر 1907ء کو بدوں اپنے والد صاحب کی تحریک کے خاکسار نے حضرت مسیح موعود کی خدمت اقدس میں بیعت کی اجازت کی درخواست کی اور حضور کے اذن سے دست مبارک پر شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ اگر حضرت مولوی صاحب کے ارشاد میں چند ماہ کی تاخیر ہو جاتی۔ یہ عاجز اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہتا۔

حضرت مسیح موعود کے وصال کے وقت خاکسار گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ خاکسار حضور کے جسد اطہر کے جلو میں قادیان حاضر ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی بیعت سے مشرف ہوا۔ اس کے بعد قادیان میں حاضری کے مواقع میسر آنے پر زیادہ تر وقت حضور کی مجلس میں گزارتا اور حضور کی طرف سے پیہم شفقت کا مورد ہوتا۔

اپریل 1911ء میں بی اے کے امتحان سے فارغ ہو کر خاکسار نے چند دن سیالکوٹ میں والدین کی خدمت میں گزارے اور پھر قادیان حاضر ہو گیا۔ جہاں چند ہفتے حضرت خلیفۃ المسیح کی مجلس میں حاضر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ابھی آپ نشست کے کمرے ہی میں دن بسر فرماتے تھے۔ کنپٹی کے ناسور پر روز پٹی ہوتی تھی۔ پٹی کے بعد شاگردوں میں سے کوئی کچھ دیر کے لئے آپ کا بدن دباتے تھے۔ خاکسار کی حاضری کے پہلے دن جب ظہر کی نماز پر آپ نے حاضرین کو یہ ارشاد فرمایا کہ جاؤ نماز ادا کرو تو خاکسار بھی تعمیل ارشاد کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا میاں تم یہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ نماز کے لئے آپ پلنگ کے ساتھ قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے۔ خاکسار آپ کے دائیں جانب ذرا وقفہ چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ آپ کمال شفقت سے خاکسار کو دائیں جانب سے اپنے قریب کر لیتے۔ تین چار شاگرد بھی خاکسار کی دائیں جانب کھڑے ہو جاتے۔ شیخ تیمور صاحب نماز پڑھاتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے وقت اتفاقاً شیخ تیمور صاحب موجود نہیں تھے۔ آپ نے خاکسار کو فرمایا میاں تم نے قرآن پڑھا ہے۔ تم نماز پڑھاؤ۔ تعمیل ارشاد کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ایک دن ڈاکٹر صاحبان پٹی کر کے رخصت ہو گئے۔ کوئی شاگرد موجود نہیں تھا۔ خاکسار اکیلا ہی حاضر تھا۔ خاکسار کو بدن دبانے کی مشق نہیں تھی لیکن جرأت کر کے خاکسار پلنگ پر آپ کی پیٹھ کی طرف بیٹھ گیا اور ڈرتے ڈرتے اناڑی ہاتھوں سے آپ کے دائیں بازو کو دبانا شروع کیا۔ چند لمحوں کے بعد جب خاکسار نے اندازہ کیا کہ اب سو گئے ہوں گے۔ تو خاکسار نے دبانا بند کر دیا۔ آپ نے دایاں بازو اٹھا کر خاکسار کی گردن کے گرد ڈال کر خاکسار کے چہرہ کو اپنے مبارک چہرہ کے قریب کر لیا اور فرمایا میاں ہم نے آپ کے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں۔ عصر کے بعد آپ نشست کے کمرے سے باہر صحن میں تشریف فرما ہوتے۔ وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک دن خاکسار سے فرمایا۔ میاں یہ کھیل کود کا وقت ہے تمہارا دل باہر جا کر کھیلنے کو نہیں چاہتا۔ خاکسار نے عرض کیا۔ حضور میں جہاں ہوں وہیں خوش ہوں۔

خاکسار کو والد صاحب کا خط ملا کہ اب تمہارا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ تم امید رکھتے ہو کہ تم بفضل اللہ پاس ہو جاؤ گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے تم انگلستان جاؤ۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں اجازت کے لئے عرض کرو۔ خاکسار نے ایک عریضہ میں چند معروضات درج کر کے حضور کی خدمت میں عریضہ پیش کر دیا۔ آپ بہت مختصر گو اور مختصر نویس تھے۔ عریضہ کے ایک حاشیہ پر گزارش کے متعلق اپنا ارشاد درج فرما کر واپس کر دیا۔ انگلستان جانے کے متعلق تحریر فرمایا استخارہ کریں۔ آپ بھی اور آپ کے والد صاحب بھی، اطمینان ہو تو جایئے۔

چند دن بعد شیخ مبارک اسمٰعیل صاحب کا کارڈ لاہور سے لکھا ہوا مجھے ملا کہ نتیجہ نکل گیا ہے۔ تم اول درجہ میں پاس ہو گئے ہو۔ خاکسار نے کارڈ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بہت خوش ہوئے۔ ہر آنے والے سے فرماتے کہ ہم آج بہت خوش ہیں۔ یہ پاس ہو گئے۔ تعجب ہے کہ انہیں پہلے سے ہی معلوم تھا۔ چند دن بعد خاکسار سفر انگلستان کی تیاری کے لئے سیالکوٹ چلا گیا اور پھر آخر میں دس دن کے لئے والد

صاحب اور ماموں کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں رخصت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے بڑی شفقت سے چند دعائیں اور ہدایات فرمائیں اور فرمایا ہمیں خط لکھتے رہنا۔ خاکسار کے انگلستان سے ہر ارسال کردہ عریضہ کا جواب دست مبارک سے تحریر فرماتے اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں دلچسپی کا اظہار فرماتے اور مشورہ دیتے اور مشفقانہ دعائیں اور القاب ظفر اللہ ہاشمی ارشد وارجمند باشی سے نوازتے۔ خاکسار کی انگلستان سے واپسی آپ کے وصال کے چند ماہ بعد ہوئی۔ صاحبزادہ عبدالحی صاحب نے بتایا کہ تمہارا خط ملنے کے بعد جمعہ کی تیاری کے دوران فرماتے۔ اس کا خط دے دو۔ ہم جیب میں رکھیں گے اور اس کے لئے دعائیں کریں گے۔

آپ کی علالت اور وفات

شروع 1914ء میں آپ کی صحت کمزور ہونا شروع ہوئی اور کمزوری بتدریج بڑھتی چلی گئی۔ وسط فروری میں سل کی صورت پیدا ہوگئی۔ 14 فروری کو احباب نے باہمی مشورہ سے لاہور سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کو بلوایا۔ انہوں نے دیر تک معائنہ کرنے کے بعد آپ کے ڈاکٹروں کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور وہی نسخہ تجویز کیا جو زیر استعمال تھا اور مقوی غذا بتائی۔ جب وہ چلے گئے تو آپ نے فرمایا۔ اس ڈاکٹر نے میرے پر یونہی وقت صرف کیا۔ ورنہ مجھے جو مرض ہے اس کی تشخیص تو اتنی آسان ہے۔ میں جب مطب میں بیٹھتا ہوں اور کوئی شخص باہر سے آتا ہے اور مجھے کہتا ہے مولوی صاحب سلام تو مجھے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں اس کی آواز سے ہی پہچان جاتا ہوں کہ اسے یہ مرض ہے۔ 26 فروری کو ڈاکٹر صاحبان کی رائے کے موافق آپ کو نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی دارالسلام میں منتقل کر دیا گیا۔ 7 مارچ کو آپ نے وصیت لکھی۔......

خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے (کلمہ طیبہ) میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش یتامی مساکین فنڈ سے نہیں۔ کچھ قرضہ حسنہ جمع کیا جاوے۔ لائق لڑکے ادا کریں یا کتب جائیداد وقف علی الاولاد ہو۔ میرا جانشین متقی ہو۔ ہر دلعزیز عالم باعمل۔ حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگزر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی خیر خواہ رہے۔ قرآن وحدیث کا درس جاری رہے۔

والسلام

نورالدین۔ 4 مارچ 1914ء

جب تحریر فرما چکے تو مولوی محمد علی صاحب کو ارشاد فرمایا۔ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ پھر دوبارہ اور سہ بارہ پڑھوائی۔ پھر ارشاد فرمایا کوئی بات رہ تو نہیں گئی۔ مولوی صاحب (محمد علی صاحب) نے عرض کیا بالکل درست ہے۔ 9 دن بعد جمعہ کے دن سوا دو بجے بعد دوپہر نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ آپ حضور کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ملک کے اخبارات اور جرائد نے آپ کی وفات پر یک زبان ہو کر خراج تحسین پیش کیا۔ ان میں سے ایک گزارش کرتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "البلاغ"، میں زیر عنوان "الوداع اے نورالدین" لکھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تحریک احمدیہ کے کاروان سالار وحقائق معنوی کے نباض حکیم نورالدین کی قلمی تعزیت میں سب سے پیچھے ہوں۔ ایک ایسی شخصیت جو وسعت علمی کے ساتھ زہد و تورع کے عملی مظاہر کا گنجینہ تھی۔ اب ہم میں نہیں ہے۔ معارف دینیہ اور دقائق طیبہ کے ساتھ ایک پُر وسعت مطالعہ کے امتزاج نے جو صحف آسمانی سے لے کر عام افسانوں پر محیط تھا۔ نورالدین کو ایک ایسی اوج نظر پر فائز کر دیا تھا جہاں نوع انسانی کے جذبات کا طلسم کا بھید سر آشکار ہو جاتا ہے۔ یہی باعث تھا کہ اس کے معانی پرور تکلم کا ایک ہلکا سا تموج کسی مخالف کی فسوں پرور بلند آہنگیوں پر ایک مہر سکوت بن جاتا تھا۔ اس کی تمام آب و گل جوش دینی اور وسعت علمی کا ایک پُر ندرت مجموعہ تھی اور اس کی جہاں پیما تار نظر ایک پُر جذب کمند حکمت تھی۔ اس کے حکیمانہ تجسس نے کمال تورع کے ساتھ مل کر لطائف سپہری کی آغوش اس کے لئے کھول دی تھی اور حکمت ازل کی کارسازیوں پر اس کا اعتماد سطح علیت پر فائز ہو گیا تھا۔ اس کی آخری زندگی کا بیشتر حصہ تحریک احمدیہ کے ساتھ وابستہ رہا ہے اور اس کے لیل و نہار اسی جہد دینی کے پُر لطف مظاہر میں وقف ہوئے ہیں۔

بے شبہ جس پُر خلوص ایثار اور شیفتہ پیوستگی کے ساتھ اس نے اپنے ہادی کا ساتھ دیا۔ اس کی نظیر قدمائے...... کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔ مسیحا گردوں نشین ذات سے شائبہ مرگ کی وابستگی اور مہدی وعیسیٰ کے خصائص کا (مسیح کی وفات اور مہدی وعیسیٰ کے) ایک ذات میں اجتماع ہندی ارباب اسلام کے لئے آشوب شوریدگی اور اجتماع کا ایک تلخ پیام دیا تھا اور جس پُرخروش شدت کے ساتھ اہل اسلام کی جانب سے اس پُر غرابت نکتہ آفرینی کا تخالف ہوا وہ ایک آتش آفرین ادائے رعد کی طرح تھا۔ لیکن نورالدین کا پیمان عقیدت ہجوم مخالفت کی طوفان انگیزیوں کے باوجود بہ پیوستگی استوار تھا اور وہ ایک کوہ گراں کی طرح برق جہندہ اور ابر فروشندہ (کڑکتی بجلیوں اور گرجتے بادلوں) کے سامنے یکساں پائے ثبات پر قائم تھا۔ اس کی پُر خلوص استقامت سے بعید تھا کہ وہ پایان عمر تک اس سنگ آستاں سے جدا ہو۔ جہاں اس کی پُر محنت کاوشوں کو بالین آسائش ملی تھی اگرچہ میں اپنے ادراک کو تحریک احمدیہ کی بعض نکتہ آفرینیوں کا ہم وفاق نہیں دیکھتا لیکن اس پُر گداز سوزش روحانی پر محو حیرت ہوں جس کے پُر تپش غلغلے میرے متجر جذبات کو گریہ محبت سے آشنا کر گئے ہیں۔

نورالدین کی ذات گرامی ہماری مادی نگاہوں سے مستور ہے لیکن مساحت گیتی پر اس کے نقش پا بدستور ثبت ہیں اور منزل استقامت کی جانب ہماری رہبری کر رہے ہیں۔ لطف ازل اس کی خاک پر عنبر بار ہو......"۔

(رسالہ ابلاغ جولائی 1914ء جلد 1 نمبر 2 از مالیر کوٹلہ)

جب ایک غیر از جماعت عالم کی نگاہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا یہ مقام تھا تو فدایان احمد کی نگاہ میں اس مقام کی رفعت کیا ہوگی۔ حضرت مسیح موعود نے جو دعا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے حق میں کی خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح کا ذکر اسی دعا کے ساتھ ختم کرتا ہے۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

....

خواہش

اس حسیں دلدار کو دل میں بسانا چاہیئے
اس کی خوشبو سے خیالوں کو سجانا چاہیئے

وہ تیرا خالق بھی ہے مالک بھی ہے معبود بھی
اپنے سر کو اس کی چوکھٹ پہ جھکانا چاہیئے

ہر مصیبت سے وہی انساں کو دیتا ہے نجات
عُسر ہو یا یُسر بس اس کو منانا چاہیئے

ابتہال و درد میں سنتا ہے وہ سب کی دعا
اس کے در پر اس ہنر کو آزمانا چاہیئے

ہو رہا ہے آج پھر انسان نفرت کا شکار
اس کو امن و آشتی کا گُر بتانا چاہیئے

اس شبِ تاریک میں تُو ہے چراغِ زندگی
تجھ کو اے دل نور بن کر جگمگانا چاہیئے

عبدالصمد قریشی

مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

دین میں سزاؤں کا فلسفہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یہ اللہ کی حدود ہیں۔ پس اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

(سورۃ البقرہ آیت 188)

آج دُنیا جُرم، تشدد، قتل وغارت کی دردناک تصویر پیش کرتی ہے اور ارادۃً یہ کوشش کی جارہی ہے۔ کہ وہ تباہ کردیں معاشرے کے ہر اُس نظام کو جہاں امن، برداشت، ہم آہنگی، اور انسانی وقار قائم ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں زندگیاں تباہ کی جاچکی ہیں۔ اور وہ دردناک بیماریوں اور خوفناک تباہیوں کی ناقابلِ برداشت علامات سے گزر رہے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے بدانتشار نے پوری دنیا میں مجرمانہ تنظیموں کو بڑھایا ہے جو آج کی دنیا کا سب سے اہم چیلنج ہے۔

دُنیا فی الحقیقت ایسے طریقوں کی تلاش میں ہے جہاں جُرم کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کو قابو میں لا سکے اور کنٹرول کر سکے اور اس وجہ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ اس مضمون کو پیش کیا جائے کہ اسلام میں سزاؤں کا فلسفہ کیا ہے۔

اسلام محض ایک مذہب ہی نہیں ہے بلکہ ایک تہذیب اور ایک معاشرتی نظام ہے جس کی بنیاد الٰہی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ دنیائے مذاہب میں اسلام کی ایک امتیازی شان ہے اس لحاظ سے کہ اس کی جزا سزا کے قوانین کا اطلاق مخصوص قواعد وضوابط کے تحت ہوتا ہے جن کا تعلق ایسے معاملات سے ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں۔

کسی بھی حالت میں کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کو حقوق اللہ کی ادائیگی کی کوتاہی میں سزا دے۔ پس نتیجۃً اس امتیاز کی وجہ سے اسلام نے عبادت کی تمام ذمہ داریوں کو کسی بھی دوسرے انسان کی دخل اندازی اور مداخلت سے مکمل آزاد کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے کہ وہ کسی کو جیسی چاہے سزا دے، اپنے شریک بنانے کی، ارتداد کی، کفر کی، اور اس کے رسولوں کے انکار کی، اس کے اور اس کے رسولوں کے خلاف بدزبانی کی۔ اس طرح اس کے رسولوں کو اس کی عبادت اور ان کے مقاصد سے روکنے کی۔ ان جرائم کی نزاکت اور شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے مجرمین کو سزا دینے کا حق کسی کو بھی نہیں دیا۔ حتیٰ کہ اپنے محبوب ترین رسول کو بھی نہیں اس کی بجائے وہ آنحضرت ﷺ سے فرماتا ہے۔ ''انہیں معاف کردو اور ان سے منہ موڑ لو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان جرائم کو اتنا بُرا سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں کسی قسم کی سزا ان کے جرائم کی شدت کے اعتبار سے ان کے ساتھ انصاف نہ کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے اگلے جہاں میں ایک دردناک سزا مقرر کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

''پھر قیامت کے دن وہ انہیں رُسوا کر دے گا...... اور انہیں کہے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ لمبا عرصہ اُس میں رہتے چلے جاؤ۔ پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا یقیناً بہت بُرا ہے۔

(سورۃ النحل 28،30)

اس سے پہلے کہ میں اسلام میں اُن سزاؤں کے فلسفہ کے بارے میں بتاؤں جو انسانی اختیار میں ہیں، یہ مناسب ہوگا کہ میں مختصر طور پر اس مضمون کے حوالے سے موجودہ نظریات بیان کروں۔ سزا کے نظریات عمومی طور پر دو فلسفوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔

افادیت کا نظریہ اور انتقامی نظریہ۔ افادیت کا نظریہ مجرموں کو اس لئے سزا دیتا ہے کہ وہ مستقبل میں غلط کاموں سے بچے رہیں۔

انتقامی نظریہ مجرموں کو اس لئے سزا دیتا ہے کیونکہ ان کو سزا ملنی چاہیے۔

نظریہ افادیت کے فلسفہ کے تحت سزا کا مقصد دوسرے لوگوں کو اس قسم کے جرائم میں ملوث ہونے سے بچانا ہے۔ سزا باقی معاشرے کیلئے ایک عبرت بن جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ مجرمانہ اعمال کی سزا دی جائے گی۔

سزا کا دوسرا بڑا مقصد جرم کی مذمت کرنا ہوتا ہے۔ نظریہ مذمت کے تحت سزا ایسی ہونی چاہیے جس سے معلوم ہو کہ معاشرہ جرم کی مذمت کرتا ہے۔

انسانی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مکمل ضابطہ حیات دیا ہے۔ ایسا قانون جو زندگی کے تمام دائروں پر محیط ہے اسلام میں اُسے ''شریعت'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

شریعت کے مآخذ میں ہمارے پاس قرآن کریم ہے جو خدا تعالیٰ کا اپنا کلام ہے۔ مزید برآں ہمارے پاس حدیث ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی روایات ہیں۔ جہاں آپ ﷺ کے اسوہ اور آپ ﷺ کے ارشادات کو محفوظ کیا گیا ہے جہاں سے لازماً ہمیں صحیح راستے تک پہنچنے کیلئے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اگر بعض ناگزیر مواقع پر کوئی چیز نہ تو قرآن مجید میں ہو اور نہ اس کا جواب احادیث میں ہمارے سامنے واضح ہو تو اس سوال کے لئے ہمیں مخصوص قوانین کے مطابق عقل سے چلنا ہوگا۔

اُس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ ''قرآن شریف میں ایسے احکام جو دیوانی اور فوجداری اور مال کے متعلق ہیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں سزا یا طریق انصاف کی تفصیل ہے۔ دوسرے وہ جن میں امور کو صرف قواعد کلیہ کے طور پر لکھا ہے اور کسی خاص طریق کی تعیین نہیں کی اور وہ احکام اس غرض سے ہیں کہ تا اگر کوئی نئی صورت پیدا ہو تو مجتہد کو کام آویں مثلاً قرآن شریف میں ایک جگہ تو یہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت۔ آنکھ کے بدلے آنکھ یہ تو تفصیل ہے۔ اور دوسری جگہ یہ اجمالی عبارت ہے کہ...... (بدی کا بدلہ کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے) (سورۃ الشوریٰ آیت 41)

یہ اجمالی عبارت توسیع قانون کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 88)

اسلامی قوانین کی حقیقت اور مآخذ کو سمجھتے ہوئے ہمیں جرائم کی تعریف اور اسلامی قوانین کے تحت اُن کا درجہ معلوم ہونا چاہئے۔

قرآن مجید صرف چار جرائم کیلئے خاص سزائیں بیان فرماتا ہے اور وہ ہیں۔ زناکاری، بہتان تراشی، قتل اور چوری کرنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جرائم اس لئے چُنے گئے ہیں تاکہ زندگی، خاندانی معاملات، جائیداد، عزت اور معاشرتی نظام کی حفاظت ہو سکے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں، اُس کا خون، اُس کی عزت، اور اُس کی دولت۔

مسلمانوں کی قانون ساز مجلس اور مجلس افتاء نے جرم کی یہ تعریف کی ہے کہ قرآن مجید کے احکامات کے خلاف یا اُنکی حدود کو توڑنا۔ دوسرے لفظوں میں حد توڑنا جو ایک عربی لفظ ہے اس کا مطلب وہ حدود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہیں۔ ایسے تمام قوانین جو کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے والے ہوں انہیں مذہب کے خلاف جرائم تصور کیا جائے گا۔ ایک طائرانہ نگاہ کافی ہے یہ محسوس کرنے کیلئے کہ کتنے خوفناک، وسیع اور انتہائی گہرے اثرات ان جرائم کے معاشرے پر ہیں انہیں قابو کرنے اور روکنے کیلئے مناسب اقدامات نہ لینے سے معاشرہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ درحقیقت یہی وہ چار جرائم ہیں جن سے معاشرہ مغلوب ہو چکا ہے اور بہت سی تکالیف اور دُکھ درد کی جو آج دُنیا میں نظر آرہے ہیں یہی وجہ ہے۔

اسلامی قوانین میں جرائم کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ نمبر 1۔ وہ جرائم جن کیلئے حد کی سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہو یعنی زنا۔ قتل، بہتان تراشی اور چوری۔ نمبر 2۔ دوسرے جرائم مثلاً، قاتلانہ حملہ، اور دوسروں کی جائداد کو نقصان پہنچانا وغیرہ۔ ایسے جرائم سمجھے جاتے ہیں جنکی سزائیں ہیں برابر کا بدلہ، کفارہ، اور ضابطہ کی کارروائی۔

تاہم اسلام یہ راہنمائی بھی کرتا ہے کہ جرائم کو کیسے پرکھا جا سکتا ہے، مثلاً تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (بخاری)۔ قرآن مجید جرائم کے ارتکاب کیلئے ایک لفظ ''کسب'' فرماتا ہے جس کا اطلاق ارادۃً فعل پر ہوتا ہے اگر یہ نیت نہیں کہ حدود سے باہر جایا جائے یا اُنہیں توڑا جائے تو پھر جرم کا مرتکب نہیں ہوگا اور وہ عمل قابلِ معافی ہوگا۔

کوئی عمل جو جہالت یا بغیر کسی علم کی وجہ سے ہو وہ قابلِ معافی ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

''یقیناً اللہ پر اُنہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا فرض ہے جو اپنی حماقت سے بُرائی کے مرتکب ہوتے ہیں پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ پس یہی لوگ ہیں جن پر اللہ توبہ قبول کرتے ہوئے جھکتا ہے اور اللہ دائمی علم رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت 18)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''مسلمان کو سزا سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کرو اگر اس کے بچنے کی کوئی راہ نکل سکتی ہو تو معاملہ رفع دفع کرنے کی سوچو۔ امام کا معاف اور درگزر کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی ابواب الحدود)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے عمل کی وجہ سے سزا نہ دی جائے اور یہ کہ اسلام میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ جرم کی مناسبت سے ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جنہوں نے نیکی کی ہے اس سے دس گنا اُن کا حق ہوگا۔ اور جنہوں نے بدی کی ہے انہیں صرف اُتنی ہی سزا دی جائے گی اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

(سورۃ الانعام آیت 161)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کہ شبہات کی وجہ سے حدود کا نفاذ روک دو یعنی کسی پر حد جاری کرنے کی جلدی نہ کرو بلکہ اگر شبہ کی وجہ سے گنجائش نکلتی ہو تو اسی بناء پر درگزر سے کام لو''

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں سزا بدلہ لینے کیلئے نہیں بلکہ اصلاح کیلئے ہوتی ہے اور جس حد تک جرم کیا گیا ہو سزا کسی بھی حالت میں اس سے آگے نہ بڑھے۔

جرائم کو روکنے کیلئے اسلام ان وجوہات کو سامنے رکھتا ہے جن کی وجہ سے وہ جرائم پیدا ہوتے ہیں یہ تمام جرائم کو جڑ سے مٹانے کی کوشش کرتا ہے اس طرح کہ انسان ایک مکمل ضابطہ اخلاق پر عمل کرے۔ یہ جرم کی طرف جانے والے تمام راستے بند کرتا ہے۔ اور جو الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ برائی کے قریب مت جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے دور رہو۔

پس اسلام سب سے زیادہ زور اس چیز پر دیتا ہے کہ اعلیٰ اخلاق کے ساتھ ایک پاکیزہ معاشرہ تعمیر اور قائم کیا جائے۔ اور یہی دراصل اسلام کا فلسفہ ہے۔

پاک دامنی ایک ایسا اعلیٰ درجے کا خُلق ہے جسے اسلامی قوانین میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان قوانین کا ذرہ سا بھی توڑنا انتہائی ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے۔ پاک دامنی کے خُلق کو اسلام انتہائی نازک اور حساس معاملے کے طور پر لیتا ہے جس کا اندازہ زنا کیلئے تجویز کردہ سزا سے کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قُرآن کریم میں فرماتا ہے:''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ وہ یقیناً ایک کھلی بے حیائی اور بہت بُرا راستہ ہے۔''

(سورۃ بنی اسرائیل آیت:33)

ناقابلِ تصور اذیت اور تکالیف اضطراب اور بدنظمی جو زنا کے عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔اس کی فہرست بہت لمبی ہے۔ پیدائش کے بے لگام اور غلط طریقے خوفناک اثرات پیدا کرتے ہیں۔ سماجی اور نفسیاتی بے راہ روی سے دونوں میں اضطراب پیدا ہوتا ہے جبکہ دوسرے جرائم کے نتیجہ میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔آج دنیا میں بڑے پیمانے پر خاندانوں کا ٹوٹنا۔ خاندانی تعلقات میں کمزوری اور تعلقات میں محبت اور اعتماد کی کمی کا بڑھتا ہوا رُجحان ۔ طلاقوں کی بڑھتی ہوئی وباءاور رد کئے جانے کا احساس،مزید یہ کہ ہیبت ناک جنسی بیماریاں مثلاً ایڈز کا پھیلنا یہ سب امور زنا کے جرم سے منسوب سمجھے جاسکتے ہیں۔

اسلام زنا کو سماجی جرائم میں سب سے زیادہ سنگین جرم تصور کرتا ہے اسلام ایک مرد اور ایک عورت کی پاکدامنی کو اس کی سب سے قیمتی چیز تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے قیام کی خاطر،اسلام سختی سے اس کی مذمت کرتا ہے۔معاشرے کے جرائم میں اس سب سے بڑے جُرم کو اگر روکا یا دبایا نہ گیا تو وہ معاشرے میں مکمل انتشار اور مکمل تباہی لا سکتا ہے۔ قُرآن مجید ایسے تمام راستے بند کرتا ہے جس کے ذریعہ یہ بیماری لوگوں میں داخل ہوتی ہے اور بڑی سختی سے زنا کے عمل کی سزا دیتا ہے اور اس میں ملوث فریقین کی مذمت کرتا ہے۔

جہاں تک سزا کی حقیقت کا تعلق ہے قُرآن مجید بیان فرماتا ہے:۔

''زنا کار عورت اور زنا کار مرد، پس ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ'' (سورۃ النور آیت:3)

قُرآن میں کسی بھی جگہ پر زنا کی سزا پتھر مار مار کر ہلاک کرنا نہیں ہے۔کتنا بھی جرم ہے لیکن اس کی یہ سزا نہیں یہ غلط فہمی شاید کہ اس وجہ سے ہوئی ہے کہ احادیث میں چند ایسے واقعات مذکور ہیں کہ جو لوگ زنا کے جرم میں ملوث تھے انہیں آنحضرت ﷺ کے حکم سے سنگسار کر دیا گیا۔ان چند واقعات میں سے ایک یہودی مرد اور عورت کا تھا جو موسوی شریعت کے مطابق سنگسار کئے گئے۔

(بخاری)

یہ آنحضرت ﷺ کی سُنت تھی کہ جب تک آپ ﷺ پر کوئی نئی وحی نازل نہ ہوتی آپ ﷺ تورات کے قوانین کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔ یوحنا کی انجیل باب 8 آیت 4-5 میں یہ ذکر کیا گیا ہے جو مَیں پیش کرتا ہوں۔

'' اے آقا یہ خاتون زنا میں ملوث تھی یعنی زنا کاری کے عمل میں۔اب موسیٰ نے شریعت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اسے سنگسار کر دینا چاہیئے''۔

یہ غلط فہمی اکثر فقہاء میں مستقل طور پر چلی آ رہی ہے کہ کوڑے مارنا صرف غیر شادی شدہ شخص کیلئے ہے اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کیلئے سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ قانوناً اور عقلاً ان احکامات کے مطابق عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی پیروی آج کے دن تک کامل طور پر کرنی چاہئے تھی تاہم یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے کہ اس کی پیروی نہیں کی گئی۔اس وضاحت کی روشنی میں آج کے دور میں ایک دلچسپ تصویر ہمارے سامنے آتی ہے کہ یہودی اور عیسائی تو اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق زانیوں کو سنگسار کر کے نہیں مارتے لیکن بعض مسلمان ریاستیں اسلام کی تعلیمات کے خلاف زنا کیلئے سنگسار کرنے کی سزا لاگو کرتی ہیں۔

ایک اور امتیازی فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے درمیان سزائیں دینے میں یہ ہے کہ اسلام جتنی زیادہ سخت سزا دیتا ہے اتنا ہی انتہائی سخت حفاظتی اقدامات بھی لاگو کرتا ہے تا کہ لوگوں کو اس جرم میں ملوث ہونے سے بچایا جاسکے۔اور ساتھ ہی بہت سخت قوانین پیش کرتا ہے۔ ایک مجرم کا جرم ثابت کرنے کیلئے زنا کے معاملے میں چار گواہوں کی سختی سے پابندی کی شرط ہے جنہوں نے فی الحقیقت اس عمل کو ہوتے دیکھا ہو یہ اس لئے ہے تا کہ یقین دلایا جاسکے کہ اس الزام میں شک کا ایک ذرّہ بھی شامل نہیں۔ مزید یہ کہ گواہوں کی راست بازی اور صداقت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔نہ صرف یہ کہ گواہوں کے راست باز ہونے کا ثبوت موجود ہو بلکہ ان کی ایک مہذب اور قابل عزت شخص کے طور پر عزت ہو۔ یہ تمام اقدامات ایک ضمانت ہیں تا کہ کوئی معصوم شخص اس جرم کا شکار نہ بن جائے۔

نہ صرف یہ کہ اسلامی قوانین جو گواہی کے متعلق ہیں بہت سخت ہیں بلکہ دنیا میں کہیں بھی گواہوں کے اصول وضوابط کی ایسی مثال نہیں ملتی۔۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔''ایسے مرد اور عورت کی گواہی جو عہد توڑ چکے ہوں مسترد کی جاتی ہے۔ اور ایسے شخص کی بھی جنہیں ''حد'' کی سزا مل چکی ہو اور ایسے شخص کی بھی جو کینہ پرور ہو اور جس کا ریکارڈ ہو کہ وہ جھوٹا گواہ رہ چکا ہے۔اور اُس شخص کی بھی جو ان پر انحصار کرتا ہو جن کے خلاف وہ گواہی دے رہا ہو اور ایسا شخص بھی جو رشتہ دار یا وارث ہو اُس شخص کا جس کے خلاف وہ گواہی دے رہا ہو''

معصوم لوگوں کی عزت کی حفاظت کیلئے کتنی خوبصورت تعلیم دی گئی ہے جس سے معاشرے کی پاکیزگی اور راست بازی کی مکمل حفاظت کی گئی ہے اس کے انتہائی برعکس کہ اسلامی کہلانے والی ریاستیں ایسی ہیں جہاں گواہیاں اور انصاف ایک تجارت بن چکے ہوں۔

ایک معاشرتی برائی، جو اپنی سنگینی کے اعتبار سے زنا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے، جو انسانی معاشرے کی رُوح کو کھا جاتی ہے وہ معصوم لوگوں کے خلاف بہتان تراشی ہے۔ جو آج کل کی جدید اور مہذب کہلانے والی سوسائٹی میں عام ہے اور اسلام بہتان لگانے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

اللہ قرآن کریم میں فرماتا ہے:'' وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو اُنہیں 80 کوڑے لگاؤ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ ہیں جو بدکردار ہیں''۔ (سورۃ النور آیت:5)

یہاں قرآن مجید بتدریج بڑھتی ہوئی تین سزاؤں کا ذکر کرتا ہے جو بہتان لگانے والے کو دینی چاہئیں۔ سب سے پہلے کوڑے لگانے کی بدنی سزا، پھر بطور دروغ اور جھوٹے شخص کے طور پر پہچانے جانا جو اس کی گواہی کو رد کرتا ہے،اور پھر یہ روحانی گھاؤ کہ اُسے بطور بدکردار کے مانا گیا۔

اسی صورتحال میں جب الزام لگانے والا اپنے الزام کے حق میں ضروری ثبوت پیش نہ کر سکے تو وہ الزام جھوٹا تصور ہوگا اور الزام لگانے والا مجوزہ سزا کا مستحق ہوگا۔کسی مقدمے کے حقائق جو بھی ہوں ، وہ عورت جس پر زنا کاری کا الزام لگایا گیا ہے وہ معصوم مانی جائے گی جب تک کہ مطلوبہ ثبوت پیش نہ کئے جائیں۔ قانون دراصل بہتان تراشی اور بدنام کرنے والوں کو طاقتور ہاتھوں سے دباتا ہے۔قُرآن مجید کے احکام کا تعلق بلا امتیاز مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے۔

تیسرا جرم جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے وہ قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔آزاد کا بدلہ آزاد کے برابر،غلام کا بدلہ غلام کے برابر اور عورت کا بدلہ عورت کے برابر لیا جائے اور وہ جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو پھر معروف طریق کی پیروی اور احسان کے ساتھ اس کو ادائیگی ہونی چاہیے یہ تمہارے رب کی طرف سے رعائت اور رحمت ہے پس جو بھی اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

(سورۃ البقرہ آیت 179)

یہ آیت مختلف درجے کے لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھتی جہاں تک قانونِ قصاص کا تعلق ہے اس سزا کا تعلق تمام مجرموں سے ہے جنہوں نے قتل کیا ہو چاہے انکی کوئی بھی حیثیت ہو یا زندگی میں کوئی بھی مقام یا کوئی بھی مذہب ہو، کوئی بھی شخص ہو اس کی ذات اور عقیدہ کا لحاظ کئے بغیر اور اس کے مقام کا لحاظ کئے بغیر کسی دوسرے شخص کے قتل کے جرم میں مار دینا چاہئے سوائے اس کے کہ مقتول کے رشتہ دار اسے معاف کر دیں اور یہ بھی کہ حکام نے اس معافی کی منظوری دے دی ہو۔

یہ آیت شہری قانون کی ایک انتہائی اہم شِق بناتی ہے، وہ یہ کہ تمام انسان یکساں ہیں اور تمام مجرموں کو بلا امتیاز مناسب سزا دینی چاہئے سوائے اس کے کہ کسی قاتل کو مقتول کے رشتہ دار معاف کر دیں ان شرائط کے تحت جہاں یہ توقع کی جاسکتی ہو کہ اس سے حالات بہتر اور خوشحالی کا موجب ہونگے ورنہ قاتل کی سزا جیسا کہ بتائی گئی ضروری ہے۔

وہ حکام جو نظم وضبط اور قوانین بنانے کے ذمہ دار ہیں وہ اس بات کے پابند ہیں کہ قانون کے تقاضوں کے تحت مجرموں کو سزا دیں اور انہیں اپنے طور پر اختیار حاصل نہیں کہ وہ اسے معاف کر دیں ۔ دوسری طرف مقتول کے ورثاء کو یہ اجازت نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیں اور مجرم کو خود سزا دیں۔

پس اسلام قتل کی سزا موت ہی تجویز فرماتا ہے لیکن بعض حالات میں کسی کو بھی اسکے حقوق سے محروم کئے بغیر سزا کی ایک استثنائی قسم بھی قائم فرما دی ہے یہ استثنائی قسم بھی کامل حکمت پر مبنی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ مقتول کے ورثاء کا ضروریاتِ زندگی کیلئے مکمل انحصار مقتول پر ہی ہو اس صورتحال میں موت کی سزا اس خاندان کی فلاح بہبود اور بنیادی ضروریات کو پورا نہ کر سکے گی لہٰذا موت کے بدلے خون بہا لینے کا امکان رکھنے سے اسلام اس غمزدہ خاندان کیلئے ایک متبادل اختیار پیش فرماتا ہے۔

بنیادی طور پر اسلام ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرتا ہے جس کی بنیاد حقیقی بھائی چارے کی روح پر ہوتی ہے۔ جہاں ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔کس قدر خوبصورت تعلیم ہے جہاں اللہ اور انسانوں کی محبت ایک ہی رنگ میں رنگی گئی ہے۔ جہاں دل کی پاکیزگی اور دماغ اکٹھے مل جاتے ہیں اور اس حقیقت پر زور دیا جاتا ہے کہ اسلام میں سزا تلافی اور اصلاح کیلئے ایک مضبوط طاقت ہے جس سے خدا سے خالص محبت کرنے والا معاشرہ قائم کیا جاسکے۔

چوتھا جرم جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ چوری ہے۔چوری کی تجویز کردہ سزا ہوسکتا ہے کہ سخت نظر آئے تاہم جیسا کہ مَیں نے ابھی ذکر کیا تھا ایسی سزا جس سے بُرائی کا سدِ باب ہو اور اس سے پُراثر تبدیلی پیدا ہو اس کو لازمی ایک مثالی ہونا چاہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔''اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس کی جزا کے طور پر جو انہوں نے کمایا یہ اللہ کی طرف سے بطور عبرت کے ہے اور اللہ کامل غلبے والا اور حکمت والا ہے۔''

(سورۃ المائدہ آیت 39)

یہ بہتر ہے کہ ایک عضو کو علیحدہ کیا جائے اور ہزار کو بچا لیا جائے بجائے اس کے کہ سب ملوث ہوں اور بہت سے تباہ ہو جائیں۔ وہ یقیناً ایک اچھا سرجن ہوتا ہے جو اس سے نہیں ہچکچاتا کہ ایک خراب عضو کو کاٹ دیا جائے تا کہ پورے جسم کو بچایا جاسکے۔

تاہم اسلام میں سزا کے فلسفہ کو سمجھنے کیلئے یہ بہت فائدہ مند ہوگا کہ اس معاشرے کے پس منظر کو سمجھا جائے جس کے قیام کیلئے اسلام زور دیتا ہے۔ وہ اسلامی تعلیم، جو مالی ضمانت کے متعلق ہے اور جسے اسلام کا معاشی نظام ملک کے ہر شہری کیلئے پیش فرماتا ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جہاں تک معاشرے کی تعمیر کا تعلق ہے اسلام اسے تعمیر کرتا ہے سادہ طرز زندگی پر، سچ پر، تقویٰ پر اور منع فرماتا ہے زندگی کی فضولیات اور بیکار رسم ورواج سے۔

اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جو اس قسم کی رسومات سے پاک ہو اور ایسی کوئی وجوہات نہ ہوں جن کی وجہ سے کسی کے دل میں کچھ چرانے کا خیال پیدا ہو۔ یہ معاشرے کے وہ پہلو ہیں جو مذہب اور عقائد کے اختلاف کو مدنظر رکھے بغیر اسلامی ریاست کے ہر شخص کیلئے ماننا ضروری ہیں۔ ان سب کی روشنی میں اگر کسی ملک کے شہری فی الحقیقت مسلمان ہیں تو چرانے کا خیال ہی ناقابلِ تصور ہونا چاہیے۔ تاہم یہ افسوسناک ہے کہ حقیقی صورتحال میں ایسی چیزیں پیش کرنا بہت مشکل ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ریاستیں برائیوں، جرائم فراڈ اور جھوٹ کا مرکز اور پنپنے کی جگہ بن چکی ہیں، ایسے حالات میں، اُس سے بہتر کوئی سزا ہو ہی نہیں سکتی جو کہ اسلام نے لاگو کی ہے۔ یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کی سزا، ایسی سزا لوگوں کو خبردار کرنے اور جرم سے روکنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مزید یہ کہ چوری سے بچاؤ میں سزا کا اثر بہت طاقتور ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں، ہاتھ کاٹنے کے واقعات بہت ہی کم ہیں کیونکہ ایک طرف سخت سزا دوسروں کو اس میں ملوث ہونے سے روکتی تھی اور دوسری طرف اس سزا پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ نتیجۃً شاذونادر ہی چور ہوتے تھے۔ لیکن جب کوئی پکڑ لیا جاتا تو اس کے ساتھ پوری احتیاط سے معاملہ کیا جاتا اور سزا پر عمل کروایا جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے بلا امتیاز کسی قسم کی نرمی یا رعائت کو سختی سے منع فرمایا۔

ہمیں ایک حدیث میں بتایا گیا ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش کے ایک معزز خاندان میں سے ایک عورت نے چوری کی۔ قریش اس واقعہ سے بہت پریشان تھے۔ انھوں نے اسامہ بن زیدؓ کو آنحضرت ﷺ کے پاس اس عورت کی معافی کے لئے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ’’اللہ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا ’’تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی بڑا اور بااثر آدمی چوری کرتا تو اُس کو مختلف بہانوں سے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اُس کو پوری پوری سزا دیتے۔ خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا اور ذرا بھی رعائت نہ کرونگا۔

(مسلم کتاب الحدود)

ایک چور کے ہاتھ کاٹنے والی سزا کیلئے اسلام نے کچھ شرائط بھی رکھی ہیں جیسے کہ چوری کرنے والی چیزیں ایسی نہ ہوں جنہیں کھایا جاتا ہو جس پر زندگی کی بقاء کا انحصار ہو یا معمولی چیزوں کی چوری وغیرہ۔ ایسے جرائم کیلئے دوسری مناسب سزائیں ہیں جو دی جاتی ہیں۔

اسلام میں سزا کا فلسفہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام سزا کو آخری قدم کے طور پر اٹھاتا ہے اور اس کے پیچھے مقصد اصلاح ہوتا ہے کہ کسی طرح انسانی اقدار، انصاف اور رحم کو ملا کر اصلاح ہو۔ ایسی جگہ معافی کی حوصلہ افزائی کی جائے جہاں اس سے اصلاح کی امید ہو اور معاملات بہتر ہوتے ہوں۔ لیکن ایسی جگہ سخت سزا دی جائے جہاں واضح ہتک آمیزی ہو اور قانون کی حد کو عبور کر لیا جائے۔

جرم ثابت کرنے کیلئے شہادت کا معیار بہت بلند اور سخت ہے لیکن ایک دفعہ جرم ثابت ہو جائے تو سزا بھی بہت سخت ہے۔ انتقام کیلئے سزائے موت کی اجازت ہے اور چوری کی سزا نا صرف قابلِ اصلاح چوروں کیلئے ہے تا کہ اُن کو اُس خداداد سہولت اور نعمت سے محروم کر دیا جائے جس کا وہ غلط استعمال کر کے لوگوں کے لئے دکھ کا باعث بن رہے تھے۔ اِن سزاؤں میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا آسان نہیں لیکن جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا ہے کے اب دنیا اسلام کی مقرر کی ہوئی سزاؤں کی حکمت اور عملی فائدے کو تسلیم کرتی ہے۔ انتقامی، اصلاحی، جرم سے روکنے والی سزائیں اور احتیاطی سزائیں جرائم کی روک تھام کیلئے عقل پر مبنی ہیں۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

’’لیکن یہ وسوسہ کہ عدل اور رحم دونوں خدا تعالیٰ کی ذات میں جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ عدل کا تقاضا ہے کہ سزا دی جائے اور رحم کا تقاضا ہے کہ درگزر کی جائے۔ یہ ایک ایسا دھوکہ ہے کہ جس میں قلتِ تدبر سے کوتہ اندیش عیسائی گرفتار ہیں۔ وہ غور نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ کا عدل بھی تو ایک رحم ہے۔ وجہ یہ کہ وہ سراسر انسانوں کے فائدہ کیلئے ہے۔ مثلاً اگر خدا تعالیٰ ایک خونی کی نسبت باعتبار اپنے عدل کے، حکم فرماتا ہے کہ وہ مارا جائے تو اُس سے اُس کی الوہیت کو کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ اِس لئے چاہتا ہے کہ تا نوع انسان ایک دوسرے کو مار کر نابود نہ ہو جائیں۔ سو یہ نوع انسان کے حق میں رحم ہے اور یہ تمام حقوق عباد خدا تعالیٰ نے اسی لئے قائم کئے ہیں کہ تا امن قائم رہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم کر کے دنیا میں فساد نہ ڈالیں۔ سو وہ تمام حقوق اور سزائیں جو مال اور جان اور آبرو کے متعلق ہیں درحقیقت نوع انسان کیلئے ایک رحم ہے۔

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 73)

یہ مناسب ہوگا کہ آخر پر آپ کی توجہ اس طرف پھیروں کہ وہ چار جرائم جو قُرآن مجید نے چُنے اور ان پر ایک حد لاگو کی، یہی وہ جرائم ہیں جو آج کے دور میں انسانوں کیلئے ناقابلِ تلافی اور مستقل بڑھتا ہوا اضطراب پیدا کر رہے ہیں۔

یہ کوشش کہ اُن قوانین کو ایک غیر معاشرے میں متعارف کروایا جائے جس کو اسلامی اقدار، نواہی اور حدود کا کچھ بھی علم نہیں ایسے ہی ہے جیسے یہ کوشش کی جائے کہ صحرا میں سٹرابری (strawberries) کو اُگایا جائے حتیٰ کہ ایک ایسا ملک یا معاشرہ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو وہاں بھی اسلامی قوانین کو کامیابی سے متعارف کروانا ممکن نہ ہوگا۔ جب تک کہ وہ معاشرہ اپنے اندر اسلامی اخلاق کی رُوح کو جذب نہ کر چکا ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک اسلامی ریاست میں جھوٹ بہت زیادہ ہے اور فی الحقیقت بہت سے گواہ جھوٹے ہیں اگر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا اور زنا کاری کی سزا سَو کوڑے لگانا لاگو کر دی جائے تو یہ امکان ہے کہ بہت سے معصوم لوگوں کے ہاتھ کٹ جائیں گے اور جھوٹے گواہوں کی وجہ سے بہت سی پاک رُوحیں سَو کوڑوں کی ضربیں کھائیں گی۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کیساتھ محبت اور وفا صرف اس شرط پر ممکن ہے کہ پہلے پوری کوشش اور قربانیوں کیساتھ ایسے معاشرے کو قائم کرنا چاہیے جو حقیقۃً ایک اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق ہو پھر اسلامی قوانین کو اس معاشرے میں متعارف کروانا چاہیے

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

’’میں تو بہت دعا کرتا ہوں کہ میری سب جماعت ان لوگوں میں ہو جائے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور نماز پر قائم رہتے ہیں اور رات کو اُٹھ کر زمین پر گرتے ہیں اور روتے ہیں اور خدا کے فرائض کو ضائع نہیں کرتے اور بخیل اور مُمسک اور غافل اور دنیا کے کیڑے نہیں ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کی یہ میری دعائیں خدا تعالیٰ مقبول کرے گا اور مجھے دکھائے گا کہ اپنے پیچھے مَیں ایسے لوگوں کو چھوڑتا ہوں۔ لیکن وہ لوگ جن کی آنکھیں زنا کرتی ہیں اور جن کے دل پاخانہ سے بدتر ہیں اور جن کو مرنا ہرگز یاد نہیں ہے۔ میں اور میرا خدا اُن سے بیزار ہیں۔ مَیں بہت خوش ہوں گا اگر ایسے لوگ اس پیوند کو قطع کر لیں کیونکہ خدا اس جماعت کو ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جس کے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آوے اور جو تقویٰ اور طہارت کے اوّل درجہ پر قائم ہوں اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم رکھ لیا ہو۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 77,78)

اس زمانے کے مامور کا یہ مقصد ہے۔ اور آج اس جگہ یہ جلسہ اُس معاشرے کی تجلی پیش کرتا ہے جس میں دینی سزائیں نہایت پُر مئوثر طریق پر اپنا مقصد پورا کر سکتی ہیں۔ تا کہ انسانیت کی تقویٰ اور اصلاح کی طرف راہنمائی کی جاسکے۔

آج ہمارے لیئے یہی ایک چیلنج ہے، اس چیز کیلئے کوشش کی جائے کہ پوری انسانیت کو خلافتِ احمدیہ کی پناہ میں لے آئیں تا کہ اُنہیں بُرائی اور کینہ سے محفوظ رکھا جاسکے اور تا اُسے اِس دنیا اور آخرت کی سزاؤں سے بچایا جا سکے اور قُرآن کریم کے احکامات پر عمل کرنے کی طرف رہنمائی کی جا سکے اور تا وہ یہ امن اور سکون اور اخلاص کیساتھ اللہ کی محبت میں ترقی کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکرم محمد قاسم طاہر صاحب مربی سلسلہ سیرالیون

سیرالیون میں تین بیوت الذکر کے سنگ بنیاد

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیرالیون میں ایک نہایت ہی مخلص اور فعال جماعت قائم ہے اور دن بدن ترقی پذیر ہے۔ یہاں ہماری بہت سی بیوت ہیں لیکن نئی جماعتیں بننے اور نو مبائعین کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے مزید بیوت الذکر کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس لئے امسال جلسہ سالانہ کے بعد سیرالیون کی جماعت میں تین نئی بیوت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

Rokupr

مورخہ 15/مارچ 2010ء کو بعد از نماز عصر احمدیہ سیکنڈری سکول روکو پور کے کمپاؤنڈ میں ایک بیت الذکر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ روکوپور میں یہ دوسری احمدیہ بیت الذکر ہے۔ یہ سنگ بنیاد جلسہ سالانہ سیرالیون میں شامل ہونے والے مرکزی نمائندہ مکرم بشیر احمد صاحب اختر نے رکھا۔ اس موقعہ پر بعض دیگر مربیان اور ذیلی تنظیموں کے صدران شامل ہوئے۔

Kenema

مورخہ 16/مارچ 2010ء کو بعد از نماز عصر کینیما میں ایک بیت الذکر کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب ہوئی۔ اس بیت الذکر کے لئے زمین ایک مخلص احمدی Chief Sowa نے دی ہے۔ اس بیت الذکر کا سنگ بنیاد بھی مکرم بشیر احمد صاحب اختر نے رکھا۔ اس موقعہ پر بھی مختلف مربیان کرام، صدر لجنہ اماء اللہ کینما اور ٹاؤن پولیس چیف اور پولیس کے ایک اور اعلیٰ افسر شامل ہوئے۔ کینیما میں یہ ہماری تیسری بیت الذکر ہے۔

Bo

مورخہ 18/مارچ کو صبح دس بجے Bo ٹاؤن میں دوسری احمدیہ بیت الذکر کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس بیت الذکر کا سنگ بنیاد رکھنے کی سعادت بھی مکرم بشیر احمد اختر صاحب کو ملی۔ اس بیت الذکر کے لئے زمین ایک نہایت مخلص اور فدائی احمدی مکرم ڈاکٹر محمد ادریس بنگورہ صاحب نائب امیر اول سیرالیون نے مشن کو فراہم کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اس تقریب میں بھی مربیان کرام کے علاوہ بعض اساتذہ، ڈاکٹرز اور دیگر سرکاری افسران کے علاوہ کثرت سے احباب جماعت بھی شریک ہوئے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ احباب جماعت کے ایمان و اخلاص میں برکت عطا فرمائے اور یہ بیوت الذکر ہمیشہ نمازیوں سے بھری رہیں۔ امن وسلامتی کا گہوارہ بنی رہیں۔ (الفضل انٹرنیشنل 16/اپریل 2010ء)

ج۔ رانا

میرے دادا جان مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال

خاکسارہ کے دادا جان تقریباً 1860ء میں مرزا نتھو بیگ صاحب کے گھر لنگروال تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ایک بہن مکرمہ کرم النساء اور چار بھائی مکرم غلام سرور صاحب، مکرم مرزا غلام قادر صاحب، مکرم مرزا بدر بیگ صاحب اور ہمارے دادا مکرم مرزا دین محمد صاحب تھے۔ آپ کی شادی قادیان میں محترمہ عظمت بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹی سرداراں بیگم صاحبہ اور دو بیٹے مکرم مرزا اکبر بیگ صاحب جن کو سردار بیگ صاحب بھی کہتے تھے اور ہمارے ابا جان مکرم مرزا محمد شریف بیگ صاحب سے نوازا۔ آپ یعنی دادا جان زمیندارہ کرتے تھے اور لنگروال میں دو مربع اراضی کے مالک تھے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی بیعت کر لی تھی۔ شاید لنگروال گاؤں کا نام پہلے کچھ اور ہوتا ہوگا۔ لیکن میرے دادا جان کی مہمان نوازی کی وجہ سے اس کا نام لنگروال مشہور ہو گیا۔ صبح شام ان کے دستر خوان پر جب تک کوئی مہمان نہ ہوتا۔ آپ مہمان کے بغیر کھانا نہ کھاتے ایک دفعہ کا واقعہ جو وہاں کے رہائشی لوگوں سے معلوم ہوا ہے اور عزیز و اقارب میں بھی مشہور ہے کہ ساتھ والے گاؤں میں ایک سکھوں کی بارات آئی بارات نے فرمائش کی کہ ہم نے پلاؤ زردہ ہی کھانا ہے۔ گاؤں والے غریب تھے انہوں نے کہا۔ مرزا دین محمد صاحب لنگروال ہی کھلا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ تک بات پہنچی آپ نے کہا کوئی بات نہیں انتظام ہو جائے گا۔ جس طرح بارات نے خواہش کی ہے ویسے ہی ہوگا۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے گھر گئے اور اپنی بیوی محترمہ عظمت بی بی صاحبہ سے کہا کہ اس طرح بارات آئی ہے آج وہ ہماری مہمان ہوگی۔ گھر والوں نے بتایا کہ چاول تو گھر میں نہیں ہیں۔ محترم مرزا صاحب نے فرمایا کہ اندر جو کوٹھری میں مٹکا پڑا ہے اس میں ہوں گے۔ حالانکہ سب مٹکے خالی تھے جب اندر والا مٹکا کھولا تو چاولوں سے بھرا پڑا تھا۔ چنانچہ پلاؤ زردہ پکایا گیا اور اس سے بارات کی خوب تواضع ہوئی۔

لنگروال میں ایک باغ ہے جو اس مغل خاندان کا تھا۔ لیکن مقدمہ کر دیا گیا۔ حضرت مسیح موعود کو علم ہوا آپ نے دعا کی اور دوبارہ ہمارے دادا جان مرزا دین محمد صاحب کو مل گیا۔ آپ قد آور تھے اور سفید پگڑی باندھتے، داڑھی رکھتے تھے۔ غربا کی مدد کرتے تھے بہت ہی نیک اور عبادت گزار تھے۔ پھلدار درخت لگانے کا شوق تھا۔ جب بھی وقت ملتا تو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ضرور حاضر رہتے اور کوشش کرتے کہ آپ کی خدمت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

میرے دادا جان حضرت مکرم مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال نے بیان کیا ہے۔

”جس کمرہ میں آپ کی رہائش تھی وہ چھوٹا سا تھا جس میں ایک چارپائی اور تخت پوش تھا۔ چارپائی تو آپ نے مجھے دی ہوئی تھی اور خود تخت پر سوتے تھے فجر کی نداء کے وقت آپ پانی کے ہلکے ہلکے چھینٹوں سے مجھے جگا دیتے“۔ (شمائل احمد ص 74)

ہمارے دادا جان مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال ایک اور روایت بیان کرتے ہیں:۔

”بٹالہ میں آپ (حضرت مسیح موعود) کی ایک حویلی تھی وہاں جا کر اترتے۔ صبح کا کھانا آپ گھر سے کھا جاتے بٹالہ میں شام کے لئے مجھے دو پیسے دیتے میں اس کی دو روٹیاں اور دال لے کر آتا۔ آپ اس میں سے بہت تھوڑی روٹی کھاتے یعنی 1/4 حصہ اور اس کے بعد وہ روٹی اس مکان میں ایک غریب شخص رہتا تھا اس کو دے دیتے۔ اس کے بعد نوکر کو جو گھوڑا لے کر جاتا تھا دو آنے دیتے اور مجھے چار آنے دیتے کہ بازار سے جا کر حسب منشا روٹی کھالو۔ دوسرے دن آپ تحصیل میں چلے جاتے میں باہر بیٹھتا تھا۔ دوپہر کے وقت وقفہ ہوتا تھا۔ اس میں آپ باہر تشریف لاتے اور مجھے چند پیسے دیتے کہ بھوک لگی ہوگی کوئی چیز کھالو“۔ (شمائل احمد ص 74)

دادا جان مکرم مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال نے 1944ء میں وفات پائی اور آپ کے اپنے باغ میں ہی تدفین ہوئی تھی۔ آپ کی اہلیہ یعنی ہماری دادی جان محترمہ عظمت بی بی صاحبہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وصیت کی ہوئی تھی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

میں اور میرے خاوند مکرم رانا مبارک احمد صاحب صدر حلقہ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور جب قادیان 2005ء کے جلسہ سالانہ پر گئے تھے، تو بہشتی مقبرہ دعا کے لئے روزانہ جاتے رہے۔ محترمہ دادی جان عظمت بی بی صاحبہ کی قبر پر بھی دعا کے لئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ میرے دادا جان اور دادی جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود کی بیشمار دعائیں نسل در نسل اور اس کی برکات مل رہی ہیں کہ میرے ابا جان مکرم مرزا محمد شریف بیگ صاحب مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ پتوکی ضلع قصور میں بھی دیگر اوصاف کے علاوہ مہمان نوازی اتنا جذبہ تھا کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مقامی ریلوے سٹیشن سے مسافروں کو پکڑ لاتے اور اسی طرح میری والدہ محترمہ رشید بیگم صاحبہ کا بھی حال تھا۔ جب کھانا بچوں کو دیتیں تو پانچ گھروں میں سالن ضرور تقسیم کرتیں اور یہی حال ان کے بیٹے یعنی میرے بڑے بھائی مکرم مرزا محمد سعید بیگ صاحب جو خود بھی صدر جماعت پتوکی تھے۔ سب مہمانوں کے وہ میزبان ہوتے۔ جب اسیر راہ مولا تھے وہ رہا ہو کر گھر جانے لگے۔ دیگر قیدی کہنے لگے مرزا صاحب کچھ دن اور رک جائیں۔ ہمیں بھی آپ کے گھر کے اچھے کھانے مل رہے تھے۔

خاکسار کے درمیانے بھائی مکرم مرزا محمد لطیف بیگ صاحب مرحوم اسیر راہ مولا مہمان نوازی اور کھانے پینے کے لئے شوقین تھے۔ اللہ ان کو بھی جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ عاجزی اتنی جب کبھی دار الضیافت میں قیام کرتے تھے تو آتے ہی حضرت مسیح موعود کے لنگر خانہ کی روٹیوں کے ٹکڑے اٹھا لاتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔ غرض آج بھی دادا جان مکرم مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کا ذکر خیر سامنے آتا تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ احمدیت اور خلافت کے زیر سایہ کیسی کیسی ہستیاں گزری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب کرے اور ہم جو ان کی نسل سے ہیں۔ ہمیشہ خلافت سے اطاعت وفاداری خدمت دین سے سرشار رکھے۔ آمین

مکرم خواجہ عبدالمنان صاحب

والد محترم خواجہ محمد رمضان صاحب آف میرا بھڑکا

ہمارے پیارے ابا جان محترم خواجہ محمد رمضان صاحب مورخہ 13/اکتوبر 2009ء بوقت صبح ساڑھے چار بجے بعمر 76 برس اس جہان فانی سے اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

آپ پیدائشی احمدی تھے اور بچپن میں کشمیر سے قادیان دارالامان مدرسہ احمدیہ میں بغرض تعلیم چلے گئے تھے۔ 1947ء میں ان کے والد مکرم خواجہ غلام احمد صاحب کو احمدیہ بیت الذکر ہموسان مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں نے نذر آتش کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ابا جان سارا دن منارة المسیح پر ڈیوٹی دیتے رہے اور جماعتی فرائض کو مقدم رکھا۔ قیام پاکستان کے وقت قادیان ہی میں زیر تعلیم تھے ان کے تینوں بڑے بھائی اور والدہ صاحبہ ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔ مدرسہ احمدیہ میں ابتدائی تعلیم کے بعد بطور معلم کشمیر تعینات کر دیئے جانے پر آپ نے مختلف علاقوں میں خدمت سلسلہ کا کام سرانجام دیا۔ 1965ء کی ہندو پاک جنگ کے بعد مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔ کچھ عرصہ ضلع گوجرانوالہ اپنے بھائیوں کے پاس رہ کر 1967ء میں مستقل طور پر میرپور آزاد کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ مہاجرین 1965ء کو جب پاکستان کی حکومت نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں آباد کرنا شروع کیا تو آپ نے کشمیر سے آئے ہوئے احمدی احباب کے ساتھ رہائش کو ترجیح دی۔ اگرچہ آپ کو اچھے علاقے اور بہترین زمین کی ترغیب دی گئی۔ والد صاحب نے احمدی احباب کے ساتھ میرپور آزاد کشمیر میں منگلا ڈیم کے کنارے میرا بھڑکا میں سکونت اختیار کر لی جہاں نو برس تک جماعت احمدیہ کے صدر کے طور پر جماعتی خدمات سرانجام دیتے رہے اور اس دوران نائب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع میرپور بھی رہے۔

1974ء میں بطور صدر جماعت والد صاحب نے جماعتی خدمات احسن رنگ میں سرانجام دیں۔ اس پُرآشوب دور کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا اور تدبر سے کام لیا۔ اس سلسلہ میں انتظامیہ کے سامنے بڑے مدلل طریقہ سے جماعت کا مؤقف پیش کیا۔ 1984ء کے پُرمصائب دور میں بھی جماعتی وقار کو قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں نظام خلافت سے مسلسل رابطے میں رہتے اور ہدایات پر عمل کرتے۔ پُرجوش داعی الی اللہ تھے اور مخالف کو مدلل دلائل کے ساتھ لاجواب کر دیتے تھے۔ جماعتی لٹریچر بھی تقسیم کرتے۔ تمام عمر نماز تہجد کا خود بھی باقاعدگی سے التزام کرتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اس امر پر قائم رکھا۔ مالی قربانی اور دیگر جماعتی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ حضور کی تحریک وصیت کے نظام میں شمولیت پر آخری عمر میں لبیک کہہ کر اس میں حصہ لیا۔ اپنی اولاد کی تربیت نہایت احسن رنگ میں کی جس کی وجہ سے آج آپ کی سب اولاد جماعت سے دلی طور پر نہ صرف وابستہ ہے بلکہ مختلف عہدوں پر جماعتی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ آپ کا پوتا خواجہ حبیب الرحمٰن وقف نو کی تحریک میں شامل ہے اور ایم بی بی ایس کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ایک نواسی بھی وقف نو کی تحریک میں شامل ہے۔ باقی پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان کی تربیت کے طفیل اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اپنے اپنے میدان میں جماعت کی خدمت کا عزم دلوں میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹے ایک بیٹی، پانچ پوتے اور تین پوتیاں، ایک نواسہ اور تین نواسیاں ہیں۔

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ خدائے رحیم و رحمان انہیں غریق رحمت کرے اور اپنے پیاروں کی ہمراہی عطا فرمائے نیز خاندان میں جو خلا ان کی وفات سے پیدا ہوا اسے پورا کرے۔

(آمین ثم آمین)

اطلاعات و اعلانات

نوٹ: اعلانات صدر/امیر صاحب حلقہ کی تصدیق کے ساتھ آنا ضروری ہیں۔

درخواست دعا

۞ محترم چوہدری محمد یعقوب ننگلی مرحوم سابق کاتب الفضل کی بہو مکرمہ مسرت پروین صاحبہ اہلیہ مکرم محمد رفیق شاکر صاحب جرمنی برلن ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ حالت بہت تشویشناک ہے۔ صحت یابی کے لئے احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے۔

۞ مکرم علیم الدین قمر صاحب دارالعلوم شرقی ہادی ربوہ تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کی نواسی طوبیٰ سلام ان دنوں دل کی اور سانس کی تکلیف کی وجہ سے سخت بیمار ہے۔ شفایابی کے لئے احباب جماعت سے درخواست دعا ہے۔

۞ مکرم رانا محمد قاسم صاحب دارالنصر غربی حبیب ربوہ تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کے والد محترم رانا بنیامین صاحب محلّہ دارالعلوم جنوبی احد ربوہ ایک عرصہ سے آنکھوں کے مرض میں مبتلا ہیں نظر بہت کمزور ہے۔ چلنے پھرنے میں دشواری ہے۔ باوجود مختلف علاج کے افاقہ نہیں ہو رہا۔ احباب جماعت سے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے کہ شافی مطلق خدا محض اپنے خاص فضل سے معجزانہ شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

سانحہ ارتحال

۞ مکرم محمد اکرم عمر صاحب مربی سلسلہ نظارت تعلیم القرآن و وقف عارضی ربوہ تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کے والد محترم حکیم محمد افضل صاحب فاروق اوچ شریف ضلع بہاولپور بعمر 84 سال مورخہ 15 جون 2010ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ آپ پرانے موصیان میں سے تھے۔ آپ کی میت ربوہ لائی گئی۔ احاطہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں محترم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں قبر تیار ہونے پر محترم مرزا محمد الدین ناز صاحب ناظر تعلیم القرآن و وقف عارضی نے دعا کرائی۔ آپ کو آپ کے بیٹے مکرم محمد اعظم طاہر صاحب کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا جو گزشتہ سال ستمبر میں راہ مولیٰ میں قربان ہو گئے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پابند صوم وصلوٰۃ شعائر اللہ کی پابندی کرنے والے غریبوں کے ہمدرد اور جرأت و دلیری کے ساتھ اظہار حق کرنے والے انسان تھے۔ آپ کو تیس سال سے زائد عرصہ تک اوچ شریف کے سیکرٹری مال اور صدر جماعت کے طور پر خدمت دین کی توفیق ملی۔ آپ نے اپنا جدی مکان جماعت کو دے دیا۔ مختلف پر آشوب ادوار میں اوچ شریف میں مخالفوں کے سامنے ڈٹے رہے اور شہر چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔ دکان بند ہونے پر گھر کی بیٹھک میں دواخانہ کھول لیا اور قرب وجوار سے مریضوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ خاندانی حکیم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دور دور تک شہرت عطا کی اور احمدیت سے وابستگی نے اس پر چار چاند لگا دیئے۔ معززین شہر اور سماجی حلقوں میں نمایاں مقام تھا۔ آپ غریبوں کی مدد کیلئے ہر وقت تیار رہتے۔ اکثر امراء آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھوا جاتے۔ جن یتیم، بیوہ اور مساکین کے وظائف لگے ہوتے وہ بھی آپ کی معرفت منگواتے۔ آپ کے خاندان کا محلّہ اور شہر میں بفضل خدا ایک رعب تھا اور بلا خوف وخطر اظہار حق کر دیتے۔ جماعتی اخبارات ورسائل اور ایم ٹی اے کے ذریعے اپنے دواخانہ پر دعوت الی اللہ کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ آپ کو اس وجہ سے اسیر راہ مولیٰ ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ جماعتی چندوں کی ادائیگی میں پیش پیش تھے۔ نہ صرف خود پیشگی ادا کرتے بلکہ اپنے مرحوم والدین اور بیویوں کی طرف سے بھی ادا کرتے رہتے تھے۔ ابتلاؤں میں آپ نے ثابت قدمی دکھائی اور خلافت احمدیہ کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ نے 5 بیٹے اور 5 بیٹیاں اور کئی پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ احباب جماعت سے درخواست دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو آپ کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

تبدیلی نام

۞ مکرم محمود اسماعیل آصف صاحب دارالرحمت شرقی راجیکی ربوہ تحریر کرتے ہیں:۔

میں نے اپنا نام آصف چوہدری سے تبدیل کر کے محمود اسماعیل آصف ولد مکرم سردار احمد خادم رکھ لیا ہے۔ اسی طرح میری اہلیہ نے اپنا نام شمیم انجم سے تبدیل کر کے شمیم اختر رکھ لیا ہے۔ آئندہ ہمیں انہی ناموں سے لکھا اور پکارا جائے۔

ضرورت مددگار کارکن

۞ طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ میں مددگار (درجہ چہارم) میں آسامی خالی ہے۔ ایسے حضرات جو ملازمت میں دلچسپی رکھتے ہوں اپنی درخواستیں ایڈمنسٹریٹر صاحب طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ کے نام اپنے صدر صاحب/امیر صاحب کی سفارش سے ارسال کریں۔

(ایڈمنسٹریٹر طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ)

ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے پروگرام

2 جولائی 2010ء

5-00 am	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
5-40 am	تلاوت
5-50 am	ان سائیٹ اور سائنس اور میڈیسن ریویو
6-25 am	لقاء مع العرب
7-25 am	تاریخی حقائق
8-00 am	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
10-10 am	جلسہ سالانہ یوکے 2006ء
11-05 am	تلاوت، درس حدیث، ان سائیٹ اور سائنس اور میڈیسن ریویو
12-00 pm	گلشن وقف نو
1-05 pm	سرائیکی سروس
1-35 pm	سوال وجواب
2-45 pm	انڈونیشین سروس
3-40 pm	سیرت صحابہ رسول ﷺ
5-00 pm	خطبہ جمعہ Live
6-05 pm	تلاوت، درس حدیث، ان سائیٹ اور سائنس اور میڈیسن
7-00 pm	بنگلہ سروس
8-00 pm	ریئل ٹاک
9-00 pm	خبرنامہ
9-15 pm	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
10-20 pm	لجنہ اماء اللہ اجتماع جرمنی 2006ء
11-05 pm	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
11-30 pm	عربی سروس Live

3 جولائی 2010ء

1-35 am	ان سائیٹ اور سائنس اور میڈیسن ریویو
2-10 am	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
3-20 am	فوڈ فار تھاٹ
3-50 am	سوال وجواب
5-00 am	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
5-40 am	تلاوت، درس حدیث اور بین الاقوامی جماعتی خبریں
6-40 am	لقاء مع العرب
7-45 am	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
8-15 am	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
9-25 am	راہ ھدیٰ
11-00 am	تلاوت
12-00 pm	جلسہ سالانہ یوکے 2006ء
1-05 pm	سوال وجواب
2-05 pm	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
3-10 pm	انڈونیشین سروس
4-05 pm	فرنچ سروس
5-10 pm	تلاوت
5-25 pm	یسرنا القرآن
5-55 pm	انتخاب سخن Live
6-55 pm	بنگلہ پروگرام
7-55 pm	گلشن وقف نو
9-00 pm	خبرنامہ
9-15 pm	راہ ھدیٰ Live
11-00 pm	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
11-15 pm	درس حدیث
11-30 pm	عربی سروس Live

4 جولائی 2010ء

1-30 am	بین الاقوامی جماعتی خبریں
2-00 am	گلشن وقف نو
3-15 am	راہ ھدیٰ
4-45 am	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
5-55 am	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
6-10 am	یسرنا القرآن
6-40 am	تلاوت
6-55 am	لقاء مع العرب
8-00 am	خبرنامہ
8-15 am	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
9-25 am	فیتھ میٹرز
10-25 am	آئل پینٹنگ
11-00 am	تلاوت، درس حدیث
12-30 pm	فیتھ میٹرز
1-35 pm	فوڈ فار تھاٹ
2-05 pm	جلسہ سالانہ یوکے 2006ء
3-10 pm	انڈونیشین سروس
4-05 pm	سپینش سروس
4-55 pm	تلاوت، درس حدیث
5-25 pm	یسرنا القرآن
5-55 pm	بنگلہ سروس
7-00 pm	خطبہ جمعہ فرمودہ 2 جولائی 2010ء
8-00 pm	چلڈرن کلاس
9-05 pm	خبرنامہ
9-20 pm	فیتھ میٹرز
10-25 pm	یسرنا القرآن
11-00 pm	ایم۔ٹی۔اے عالمی خبریں
11-30 pm	عربی سروس Live

(بقیہ از صفحہ 1)

گرتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے، مومنوں کو کھول کر بتا دیا کہ یہ آگ ہے، یہ آگ ہے اس سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنی اولادوں کو بھی بچاؤ۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں جو اس معاشرے میں رہ رہے ہیں ان کو بھی میں کہتا ہوں کہ یہ تمہاری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے کہ اس لہو ولعب میں پڑا جائے، یہی ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے تمہارے میں اور غیر میں فرق ہونا چاہئے۔ اسی طرح ہر احمدی کو ہر قسم کے ظلم سے بچنے کی ضرورت ہے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اپریل 2010ء۔ الفضل انٹرنیشنل 14 مئی 2010ء)

(ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ بسلسلہ تعمیل فیصلہ جات شوریٰ 2010ء)

درخواست دعا

❁ مکرم محمد انوار الحق صاحب کلرک شعبہ مال دفتر دارالذکر لاہور تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کی خالہ زاد بہن محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم شمس دین صاحب آف گوجرانوالہ بعارضہ قلب بیمار چلی آ رہی ہیں علاج جاری ہے مگر طبیعت اچانک بگڑ جاتی ہے بدن میں کمزوری دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ احباب سے کامل و عاجل شفایابی کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

❁ مکرم رانا داؤد احمد صاحب آف کینیڈا فالج کے حملہ کی وجہ سے صاحب فراش ہیں۔ علاج جاری ہے ان کی صحت وتندرستی کیلئے بھی درخواست دعا ہے۔

❁ مکرم فرحان احمد صاحب سول لائن لاہور تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کے والد مکرم منصور کرشن صاحب ابن مکرم انشاء اللہ خان صاحب آف حلقہ سول لائن لاہور کینسر کے مرض میں مبتلا ہیں کافی علاج کروایا گیا ہے تاحال کوئی افاقہ نہیں ہوا اب ان کا کینسر آخری مراحل میں ہے اور علاج بھی جاری ہے۔ تمام احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنا فضل فرمائے اور ان کو کامل صحت عطا فرمائے۔ آمین

❁ مکرم عرفان احمد صاحب معلم وقف جدید چک نمبر 40 جنوبی ضلع سرگودھا تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کا بھتیجا سفیر احمد ابن مکرم شیر احمد صاحب کھرپڑ ضلع قصور 12 جون 2010ء کو کھیلتے ہوئے حلق میں پنسل لگ جانے سے زخمی ہو گیا تھا۔ فوراً ہسپتال میں اس کا کامیاب آپریشن ہوا۔ اب حالت بہتر ہے تمام احباب کرام سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

****

ربوہ میں طلوع وغروب 28جون	
طلوع فجر	3:34
طلوع آفتاب	5:03
زوال آفتاب	12:11
غروب آفتاب	7:20

درخواست دعا

❁ مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب وقف جدید ربوہ تحریر کرتے ہیں۔

مکرم یاسر منصور زیروی صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ لاہور کے برادر نسبتی مکرم محمد جواد صاحب 28 مئی کی دہشت گردی میں شدید زخمی ہو گئے تھے اب ان کی صحت قدرے بہتر ہے احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو شفاء کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ پیچیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

تریاق بواسیر
بادی بواسیر کیلئے
NASIR ناصر
ناصر دواخانہ رجسٹرڈ گولبازار ربوہ
PH:047-6212434

شادی ہال برائے فروخت
2/2 دارالفضل شرقی سرگودھا روڈ ربوہ
Cell:0301-4128258

مردوں اور عورتوں کے تمام پوشیدہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ شفا خدا دیتا ہے۔
ناصر ہومیو کلینک اینڈ سٹور
کالج روڈ ربوہ بالمقابل جدید پریس ربوہ
0300-7713148

Hoovers World Wide Express
کوریئر اینڈ کارگو سروس کی جانب سے ریٹس میں
حیرت انگیز حد تک کمی دنیا بھر میں سامان بھجوانے کیلئے رابطہ کریں
جلسوں اور عیدین کے موقع پر خصوصی رعایتی پیکجز
تیز ترین سروس کم ترین ریٹس، پک کی سہولت موجود ہے
پورے پاکستان میں اتوار کو بھی پک کی سہولت موجود ہے
بلال احمد انصاری، سفیان احمد انصاری
0345-4866677
0333-6708024
042-5054243
7418584
ڈسمنٹ 25۔ قیوم پلازہ ملتان روڈ چوبرجی لاہور
نزد احمد فیبرکس

FD-10